نومبر ۲۰۰۶ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرَّحیم

رفقائے تنظیم اسلامی کے نام

امیر تنظیم اسلامی کا پیغام

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

تنظیم اسلامی کا یہ کُل پاکستان اجتماع دوسال کے وقفے سے منعقد ہورہا ہے۔قبل ازیں اکتوبر۲۰۰۴ء میں اس کا انعقاد، اسی مقام پر،یعنی فردوسی فارم دراجکے سادھوکی میں منعقد ہوا تھا۔جبکہ گزشتہ سال یہ اجتماع کشمیراورشمالی علاقہ جات میں ۸/اکتوبر کے ہولناک زلزلے کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ہنگامی صورت حال کے باعث منسوخ کردیا گیا تھا۔میں اپنے تمام واجب الاحترام رفقاءواحباب کواس اجتماع میں تشریف آوری پر اپنی جانب سے مرکزی ذمہ داران کی جانب سے خوش آمدید کہتا ہوں۔ اَھْلاً وَّ سَھْلاً

یہ اجتماع دراصل ان بندگانِ خدا کا اجتماع ہے جو''یُرِیْدُوْنَ وَجْھَـــهٗ'' کے جذبے سے سرشار، ربّ کی رضا جوئی کی خاطر اپنی دینی ذمہ داریوں کی ادائیگی کا عزم لے کر، اللہ سے تجدید عہدِ وفا کرکے شریکِ قافلۂ تنظیم ہوئے ہیں۔جو اپنی ذات اور اپنی حیات کو ہی نہیں، اپنے اہل خانہ، اپنے معاشرے اور اپنے وطن یہاں تک کہ ربّ کی پوری دھرتی کو اللہ کے دین کے تابع کرنے کی خاطر سعی پیہم کا عزم رکھتے ہیں۔وہ جانتے ہیں کہ اپنے وجود پر اللہ کے دین کو قائم کرنے کے ساتھ ساتھ ملک وقوم اور ریاست وحکومت کی سطح پر بھی اللہ کی حاکمیت کے نظام کو قائم کرنے کی جہد مسلسل کرنا، اوراس راہ میں حائل باطل نظریات، باطل نظام اور باطل قوتوں سے ہرسطح پر پنجہ آزمائی کرنا ہمارے ایمان کا لازمی تقاضا اور نہایت اہم دینی فریضہ ہے۔انہیں خوب معلوم ہے کہ اللہ جل شانہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وفاداری کا امتحان پاس کرنے کے لئے ان مراحل سے گزرنا ناگزیر ہے۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی

یہ اجتماع، قافلۂ تنظیم میں شریک تمام ساتھیوں کے لئے اللہ کی جانب سے عطا کردہ ایک بہترین موقع ہے جس میں ہمیں موقع ملے گا کہ:

(i) ''آؤ سجدے میں گریں، لوحِ جبیں تازہ کریں'' کے مصداق اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد بندگی اور عہد وفا کی ازسرنو پورے عزم اور جذبہ کے ساتھ تجدید کریں۔

(ii) پاکستان کے طول وعرض سے ہی نہیں، بیرون پاکستان سے بھی آئے ہوئے اپنے ہم قافلہ ساتھیوں سے ملاقات اور اُن کے تعارف کا شرف حاصل کریں۔دور دراز سے آئے ہم سفر ساتھیوں سے ملاقات نہ صرف باہم حوصلہ افزائی کا مؤجب ہوتی ہے اور اُس سے ''رُحَـمَـاءُ بَیْـنَھُـمْ'' کی مطلوبہ فضا جنم لیتی ہے بلکہ یہ چیز رب کی رضا کے حصول کا ایک اہم ذریعہ بھی ہے۔

(iii) اس تنظیمی وتحریکی فکر کو ایک بار پھر تازہ کریں جو قرآن وسنت سے ماخوذ دین کے ہمہ گیر تصور اور مطالبات دین پر مشتمل ہے۔

(iv) اور — ''اُٹھ کہ خورشید کا سامان سفر تازہ کریں'' کے مصداق دین کی شہادت واقامت کے اس مبارک کام کو تیز تر کرنے کی خاطر اک ولولۂ تازہ لے کر اجتماع گاہ سے رخصت ہوں۔

اللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِھٰذَا (آمین یا رب العالمین)

عرض احوال

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم

باجوڑ کا عظیم سانحہ

باجوڑ کے دینی مدرسہ پر حالیہ بمباری اور اس کے نتیجے میں ۸۳ بے گناہ مسلمانوں کی شہادت دہشت گردی اور بربریت کی بدترین مثال ہے۔ یہ بلاشبہ ماورائے عدالت قتل ہے جس پر سپریم کورٹ کو ازخود نوٹس لے کر کارروائی کرنی چاہیے۔قرآن کی رُو سے ایک انسانی جان کا قتلِ ناحق پوری انسانیت کے قتل کے مترادف ہے اور قتلِ ناحق شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے۔

بعض ذرائع کے مطابق یہ حملہ براہِ راست امریکہ نے کیا ہے۔اگر فی الواقع ایسا ہے تو یہ وطن عزیز کے خلاف کھلا اعلانِ جنگ ہے' اور ہماری آزادی' سالمیت' خودمختاری اور ریاستی اقتدارِ اعلیٰ پر کاری ضرب ہے۔اس سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ امریکہ روز بروز پاکستان کے گرد گھیرا تنگ کر رہا ہے اور وہ پاکستان کو اپنی کھلی دہشت گردی کا نشانہ بنانے پر تل گیا ہے۔اس عظیم سانحہ کے بعد اب امریکہ کے ساتھ دہشت گردی کے خلاف اس کی نام نہاد مہم میں مزید تعاون کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔اس پر حکومت کو سخت ترین احتجاج کرنا چاہیے اور امریکہ کا ساتھ دینے سے قطعی طور پر انکار کر دینا چاہیے۔ان حالات میں صدر پرویز مشرف کے پاس اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں کہ وہ واقعی کمانڈو بن کر' ڈٹ کر امریکہ سے تعاون کے خاتمے کا اعلان کریں اور اس سے پہلے بزدلی کی جس پالیسی پر وہ ملک کو لے کر چل رہے تھے اُسے فی الفور ترک کر دیا جائے۔

لیکن اگر یہ آپریشن حکومتی دعوے کے مطابق پاک فوج نے کیا ہے تو یہ اور بھی شرمناک ہے' کیونکہ اس سے یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ حکمران اپنے اقتدار کے تحفظ اور امریکہ کی خوشنودی کے لیے اس حد تک جا سکتے ہیں کہ اپنے ہی ملک کے بے گناہ لوگوں کو ہلاک کر دیں۔اگر ایسا ہے تو پرویز مشرف کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس ملک خداداد پاکستان کی تقدیر کے مالک بن کر اپنی ہی قوم کو تہہ تیغ کرنا شروع کر دیں۔اگر صدر میں اخلاقی جرأت ہے تو انہیں معصوم طلبہ اور اساتذہ کے ناحق قتل پر فی الفور مستعفی ہو جانا چاہیے۔

Meesaq_2006_PDF\meesaq november06\arz-november.inp 8/20/2014 12:08 PM PAGE 1 (1,1)

واقعہ یہ ہے کہ موجودہ حکمران ہم پر ہمارے گناہوں کی سزا کے طور پر مسلط ہیں اور جب تک ہم دین کو اختیار نہیں کریں گے ہمیں ظالم حکمرانوں سے نجات نہیں ملے گی۔ یہ ہمارا قومی المیہ ہے کہ ہمارے حکمران دشمنانِ اسلام کو راضی کرنے کے لیے اپنے بھائیوں کا خون بہا رہے ہیں' جبکہ دشمن پاکستان کے ٹکڑے کرنے کی منصوبہ بندی کر رہا ہے۔ امریکی وزارتِ دفاع کے جاری کردہ ایک نقشے میں پاکستان کے پختون بیلٹ کو افغانستان کے ساتھ جبکہ کشمیر اور بلوچستان کو آزاد ریاست کے طور پر دکھایا گیا ہے۔ ان کے منصوبے کے مطابق پاکستان صرف پنجاب اور سندھ کے کچھ حصوں پر مشتمل ہو گا' بھارت اس خطے میں امریکہ کا سب سے بڑا اڈا ہو گا اور بالآخر پاکستان کو بھارت میں عملاً یا معناً ضم کر دیا جائے گا۔ تاہم اللہ کی تدبیر کے آگے دشمنانِ اسلام کے منصوبے ہیچ ہیں۔ اگر ہم واقعۃً پاکستان میں اسلامی نظام قائم کر لیتے ہیں تو یہ عالمی غلبۂ اسلام کی نوید بنے گا۔ موجودہ حالات میں کرنے کا کام یہ ہے کہ پاکستانی عوام عمومی توبہ کریں اور دین کو اختیار کریں۔ اس کے ساتھ تمام علماء اور دینی جماعتیں متحد ہو کر اسلامی انقلاب کے لیے عوامی تحریک برپا کریں۔ اگر ہم نے یہ نہ کیا تو اللہ ہمارے بجائے کسی اور سے غلبۂ دین کا کام لے لے گا اور ہمیں عذابِ الٰہی سے کوئی نہ بچا سکے گا۔ اعاذنا اللّٰہ من ذٰلک!

☆ ☆ ☆

اسلام کے نظامِ تعلیم و تربیت میں اجتماعِ جمعہ کی اہمیت
اور خطبۂ جمعہ کی اہمیت اور اصل غرض و غایت سے آگاہی کے لیے مطالعہ کیجیے:

خطبۂ جمعہ

عربی متن کا ترجمہ و تشریح

امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید کے چند خطاباتِ جمعہ کی تلخیص

عمدہ طباعت ۞ سفید کاغذ ۞ قیمت: 30 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون: 03-5869501

''پوپ کی ہرزہ سرائی آخری کروسیڈ کے لیے طبل جنگ کے مترادف ہے''

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے خطاب عیدالفطر کا پریس ریلیز

مغربی تہذیب نے انسان کو درندہ بنا دیا ہے جس کا ایک مظہر افغانستان اور عراق میں ساری دنیا دیکھ رہی ہے۔ آج اسلام کے خلاف عیسائی یہودی گٹھ جوڑ بہت مضبوط ہو چکا ہے۔ یہودی گریٹر اسرائیل کے قیام اور ہیکل سلیمانی کی تعمیر میں مسلمانوں کو رکاوٹ سمجھتے ہیں لہٰذا وہ پروٹسٹنٹ عیسائیوں کے امام برطانیہ اور امریکہ کے ذریعے مسلمانوں کی قوت کو کمزور کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں' جبکہ کیتھولک عیسائی' جن کا سربراہ پوپ ہے' عظیم رومن ایمپائر کے احیاء کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کیتھولک عیسائی صلیبی جنگ کی راہ ہموار کر رہے ہیں تاکہ مسلمانوں سے یروشلم یعنی ارضِ مقدس چھینا جا سکے۔ موجودہ پوپ نے اسلام اور نبی اکرمﷺ کے خلاف ہرزہ سرائی کر کے گویا آخری کروسیڈ کے لیے طبل جنگ بجا دیا ہے۔ قرآن حکیم کی توہین اور نازیبا خاکوں کی اشاعت جیسے واقعات کا مقصد دراصل مسلمانوں کو مشتعل کرنا ہے تاکہ وہ یہود و نصاریٰ کے خلاف کھڑے ہوں اور انہیں کچل دیا جائے۔ صحیح احادیث کے مطابق مشرق وسطیٰ میں **الملحمة العظمٰی** کے نام سے ایک بڑی جنگ لڑی جائے گی۔ انجیل میں اس آخری جنگ کو ''آرمیگاڈان'' کا نام دیا گیا ہے۔ آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بڑی جنگ اب قریب ہے۔ عالم عرب کی دین سے بے وفائی کی سزا کے طور پر اوّلاً اس جنگ میں عربوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑے گا۔ بعد ازاں اللہ کی مدد سے مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوگا جس کے لیے پاکستان اور افغانستان کا خطہ خصوصی رول ادا کرے گا۔ یہ وہ وقت ہوگا جب نبی اکرمﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق کل روئے ارضی پر اللہ کا دین غالب ہو جائے گا۔ ہم نے پاکستان کے نام سے یہ خطۂ ارضی اللہ تعالیٰ سے اس وعدے پر حاصل کیا تھا کہ یہاں اسلام کا نظامِ عدلِ اجتماعی قائم کریں گے' لیکن ہم نے اسلامی نظام قائم کرنے کے وعدے کو پورا نہیں کیا' جس کی سزا ہے کہ آج ''تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں'' کے مصداق دنیا پاکستان کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کا انتظار کر رہی ہے۔ اگر ہم نے اب بھی دین کو اپنی زندگیوں میں اختیار نہ کیا اور ملک میں اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لیے جدوجہد نہ کی تو خاکم بدہن پاکستان کا وجود برقرار نہ رہے گا اور ہم عراقیوں اور افغانیوں کی طرح دشمن کے رحم و کرم پر ہوں گے۔

☆☆☆

Meesaaq_2006_PDF\meesaq november06\arz-november.inp 8/20/2014 12:08 PM PAGE 2 (1,1)

”استحصالی اور طاغوتی نظام کے خاتمے کے لیے تلوار اٹھانا ضروری ہے“

امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید کا ۳/ اکتوبر کے خطابِ جمعہ کا پریس ریلیز

اسلام میں صرف دفاعی جنگ ہی نہیں ہے بلکہ اللہ سے وفاداری اور دینی غیرت وحمیت کا تقاضا ہے کہ مناسب قوت فراہم ہونے پر طاغوتی نظام کو ختم کر کے اللہ کی زمین پر اللہ کا دین قائم کیا جائے۔ بعض مسلمان مؤرخین کا دشمنانِ اسلام کے پروپیگنڈے سے متأثر ہو کر معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے یہ کہنا کہ اسلام صرف دفاعی جنگ کی تعلیم دیتا ہے‘ درست نہیں ہے۔ سیرتِ نبویؐ کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ غزوۂ بدر کے لیے حالات مسلمانوں نے خود پیدا کیے۔ قریش مکہ کو سانپ کی صورت بل سے باہر نکالنے کے لیے نبی اکرم ﷺ نے غزوۂ بدر سے قبل آٹھ مہمات روانہ فرمائیں‘ جن کا مقصد قریش کے تجارتی راستے کو بلاک کرنا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ زمین پر صرف اللہ کی حکومت کے نتیجے میں انسانیت کو سکھ کا سانس نصیب ہوسکتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے قائم کردہ نظامِ عدلِ اجتماعی کے نتیجے میں عدل وانصاف‘ مساواتِ انسانی اور انسانی حقوق جس اعلیٰ سطح کو پہنچے آج کا انسان سوچ کے حوالے سے بھی وہاں تک پہنچنے سے قاصر ہے۔ اسلام کے نظامِ اجتماعی کا قیام جہاں انسان کے لیے سب سے بڑی رحمت اور کامل فلاح و بہبود کا ذریعہ ہے وہاں انسان کی روحانی ترقی بھی صرف اسی نظام کے نتیجے میں ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جو رحمۃٌ للعالمین ہیں‘ انسان کو طاغوتی نظام کی غلامی سے نجات دلانے کے لیے ہاتھ میں تلوار اٹھائی۔ بنی اسرائیل کی تاریخ گواہ ہے کہ یوشع بن نون اور حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت بھی جہاد وقتال کے نتیجے میں قائم ہوئی۔

غیر اللہ کی حاکمیت اس زمین پر سب سے بڑا فتنہ وفساد ہے۔ موجودہ نیو ورلڈ آرڈر طاغوتی اور شیطانی نظام ہے جو اُن چیزوں پر قائم ہے جنہیں اللہ نے انسانیت کے لیے مضر اور حرام قرار دیا ہے۔ شیطان انسان کو شرفِ انسانیت سے محروم کرنا چاہتا ہے‘ لہٰذا مغربی معاشرت انسان کو اصلاً حیوان بنانے کی سازش ہے۔ اسی طرح سودی نظام کے ذریعے انسان کو درندہ بنا دیا گیا ہے۔ آج بھی انسان کی فلاح و بہبود کے لیے ضروری ہے کہ باطل نظام کو جڑ سے اکھاڑ کر اسلام کا نظامِ رحمت قائم کیا جائے‘ کیونکہ قرآن کی تعلیم یہی ہے کہ قتال اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک نظامِ اطاعت مکمل طور پر اللہ کے لیے نہ ہو جائے۔ اگرچہ استحصالی اور طاغوتی نظام کے خاتمے کے لیے تلوار اٹھانا ضروری ہے‘ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلام کسی کو بزورِ شمشیر مسلمان بنانے کی تعلیم نہیں دیتا اور نہ ہی آج تک کسی کو جبراً اسلام میں داخل کیا گیا ہے۔ ○○

پریس ریلیز

’’پوپ کی ہرزہ سرائی آخری کروسیڈ کے لیے طبل جنگ کے مترادف ہے‘‘

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے خطاب عید الفطر کا پریس ریلیز

مغربی تہذیب نے انسان کو درندہ بنا دیا ہے جس کا ایک مظہر افغانستان اور عراق میں ساری دنیا دیکھ رہی ہے۔ آج اسلام کے خلاف عیسائی یہودی گٹھ جوڑ بہت مضبوط ہو چکا ہے۔ یہودی گریٹر اسرائیل کے قیام اور ہیکل سلیمانی کی تعمیر میں مسلمانوں کو رکاوٹ سمجھتے ہیں لہٰذا وہ پروٹسٹنٹ عیسائیوں کے امام برطانیہ اور امریکہ کے ذریعے مسلمانوں کی قوت کو کمزور کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں‘ جبکہ کیتھولک عیسائی‘ جن کا سربراہ پوپ ہے‘ عظیم رومن ایمپائر کے احیاء کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کیتھولک عیسائی صلیبی جنگ کی راہ ہموار کر رہے ہیں تاکہ مسلمانوں سے یروشلم یعنی ارضِ مقدس چھینا جا سکے۔ موجودہ پوپ نے اسلام اور نبی اکرم ﷺ کے خلاف ہرزہ سرائی کر کے گویا آخری کروسیڈ کے لیے طبل جنگ بجا دیا ہے۔ قرآن حکیم کی توہین اور نازیبا خاکوں کی اشاعت جیسے واقعات کا مقصد دراصل مسلمانوں کو مشتعل کرنا ہے تاکہ وہ یہود و نصاریٰ کے خلاف کھڑے ہوں اور انہیں کچل دیا جائے۔ صحیح احادیث کے مطابق مشرق وسطیٰ میں الملحمة العظمٰی کے نام سے ایک بڑی جنگ لڑی جائے گی۔ انجیل میں اس آخری جنگ کو ’’آرمیگا ڈان‘‘ کا نام دیا گیا ہے۔ آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بڑی جنگ اب قریب ہے۔ عالم عرب کی دین سے بے وفائی کی سزا کے طور پر اوّلاً اس جنگ میں عربوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑے گا۔ بعد ازاں اللہ کی مدد سے مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوگا جس کے لیے پاکستان اور افغانستان کا خطہ خصوصی رول ادا کرے گا۔ یہ وہ وقت ہوگا جب نبی اکرم ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق کل روئے ارضی پر اللہ کا دین غالب ہو جائے گا۔ ہم نے پاکستان کے نام سے یہ خطۂ ارضی اللہ تعالیٰ سے اس وعدے پر حاصل کیا تھا کہ یہاں اسلام کا نظامِ عدلِ اجتماعی قائم کریں گے‘ لیکن ہم نے اسلامی نظام قائم کرنے کے وعدے کو پورا نہیں کیا‘ جس کی سزا ہے کہ آج ’’تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں‘‘ کے مصداق دنیا پاکستان کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کا انتظار کر رہی ہے۔ اگر ہم نے اب بھی دین کو اپنی زندگیوں میں اختیار نہ کیا اور ملک میں اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لیے جدوجہد نہ کی تو خاکم بدہن پاکستان کا وجود برقرار نہ رہے گا اور ہم عراقیوں اور افغانیوں کی طرح دشمن کے رحم و کرم پر ہوں گے۔

☆☆☆

پریس ریلیز

’’استحصالی اور طاغوتی نظام کے خاتمے کے لیے تلوار اٹھانا ضروری ہے‘‘

امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید کا ۳ / اکتوبر کے خطابِ جمعہ کا پریس ریلیز

اسلام میں صرف دفاعی جنگ ہی نہیں ہے بلکہ اللہ سے وفاداری اور دینی غیرت و حمیت کا تقاضا ہے کہ مناسب قوت فراہم ہونے پر طاغوتی نظام کو ختم کر کے اللہ کی زمین پر اللہ کا دین قائم کیا جائے۔ بعض مسلمان مؤرخین کا دشمنانِ اسلام کے پروپیگنڈے سے متأثر ہو کر معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے یہ کہنا کہ اسلام صرف دفاعی جنگ کی تعلیم دیتا ہے‘ درست نہیں ہے۔ سیرتِ نبویؐ کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ غزوۂ بدر کے لیے حالات مسلمانوں نے خود پیدا کیے۔ قریش مکہ کو سانپ کی صورت بل سے باہر نکالنے کے لیے نبی اکرم ﷺ نے غزوۂ بدر سے قبل آٹھ مہمات روانہ فرمائیں‘ جن کا مقصد قریش کے تجارتی راستے کو بلاک کرنا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ زمین پر صرف اللہ کی حکومت کے نتیجے میں انسانیت کو سکھ کا سانس نصیب ہو سکتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے قائم کردہ نظامِ عدلِ اجتماعی کے نتیجے میں عدل و انصاف‘ مساواتِ انسانی اور انسانی حقوق جس اعلیٰ سطح کو پہنچے آج کا انسان سوچ کے حوالے سے بھی وہاں تک پہنچنے سے قاصر ہے۔ اسلام کے نظام اجتماعی کا قیام جہاں انسان کے لیے سب سے بڑی رحمت اور کامل فلاح و بہبود کا ذریعہ ہے وہاں انسان کی روحانی ترقی بھی صرف اسی نظام کے نتیجے میں ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جو رحمۃٌ للعالمین ہیں‘ انسان کو طاغوتی نظام کی غلامی سے نجات دلانے کے لیے ہاتھ میں تلوار اٹھائی۔ بنی اسرائیل کی تاریخ گواہ ہے کہ یوشع بن نون اور حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت بھی جہاد و قتال کے نتیجے میں قائم ہوئی۔

غیراللہ کی حاکمیت اس زمین پر سب سے بڑا فتنہ وفساد ہے۔موجودہ نیو ورلڈ آرڈر طاغوتی اور شیطانی نظام ہے جو اُن چیزوں پر قائم ہے جنہیں اللہ نے انسانیت کے لیے مضر اور حرام قرار دیا ہے۔شیطان انسان کو شرفِ انسانیت سے محروم کرنا چاہتا ہے' لہٰذا مغربی معاشرت انسان کو اصلاً حیوان بنانے کی سازش ہے۔اسی طرح سودی نظام کے ذریعے انسان کو درندہ بنادیا گیا ہے۔آج بھی انسان کی فلاح و بہبود کے لیے ضروری ہے کہ باطل نظام کو جڑ سے اکھاڑ کر اسلام کا نظامِ رحمت قائم کیا جائے' کیونکہ قرآن کی تعلیم یہی ہے کہ قتال اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک نظامِ اطاعت مکمل طور پر اللہ کے لیے نہ ہو جائے۔اگرچہ استحصالی اور طاغوتی نظام کے خاتمے کے لیے تلوار اٹھانا ضروری ہے' لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلام کسی کو بزورِ شمشیر مسلمان بنانے کی تعلیم نہیں دیتا اور نہ ہی آج تک کسی کو جبراً اسلام میں داخل کیا گیا ہے۔OO

تذکرہ و تبصرہ

قربِ الٰہی کے دو مراتب(۲)

اور ہماری دینی و ملی ذمہ داریاں

قرآن و سنت کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ

ہماری اب تک کی گفتگو اِس سوالیہ نشان تک پہنچ گئی ہے کہ ''از روئے قرآن حکیم ہمارے بنیادی دینی فرائض کیا ہیں؟'' اس کے ساتھ ہی مجھے اس امر کی بھی وضاحت کرنی ہے کہ ''آیا اِن کی ادائیگی انفرادی طور پر ممکن ہے یا نہیں''؟ آپ ایک درخت کا تصور کیجیے۔ اس کی ایک جڑ اور ایک تنا ہے۔ پھر اس سے چار شاخیں نکلی ہوئی ہیں جن سے مزید بہت سی چھوٹی چھوٹی شاخیں اور پھر پتے ہیں۔ الغرض شاخوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ یہی مثال اپنے دین اسلام کی سمجھئے۔ ساتھ ہی یہ بھی جان لیجیے کہ ''فرض'' کا تصور آپ کو ہر سطح (level) پر ملے گا۔ انسان کا سب سے پہلا اور بنیادی فرض یہ ہے کہ وہ اللہ کا بندہ بنے۔ یہ اس درخت کا تنا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے: ﴿یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا رَبَّکُمُ﴾ (البقرۃ:۲۱) اس سے آگے یہ مطالبہ آئے گا کہ نماز بھی پڑھیں' وہ بھی فرض ہے۔ یہ تنے سے شاخیں پھوٹ رہی ہیں۔ پھر نمازوں میں کچھ فرائض ہیں' کچھ سنتیں ہیں۔ اب ایک شاخ سے بہت سی شاخیں پھوٹ گئیں۔ آپ نے چار رکعت کی نیت کی۔ اب اس میں بھی کچھ فرائض ہیں۔ اس میں قیام اور قراءت فرض ہے' رکوع و سجود فرض ہے۔ تو یہ فرض یہاں سے وہاں تک چل رہا ہے۔ اسی طرح جن نمازوں کو ہم سنتیں یا نوافل کہتے ہیں' ان میں بھی یہی فرائض موجود ہیں۔ فرائض کا بنیادی تصور اور

پھر فرائض کا ثانوی تصور اگر ترتیب کے ساتھ نہیں سمجھیں گے تو ذہن کے اندر ایک الجھاؤ اور انتشار (confusion) رہے گا۔

ہمارا بنیادی فرض — ''عبادتِ ربّ''

فرائض کے بارے میں ہمارے ہاں عمومی تصور یہ ہے کہ نماز پڑھ لی' فرض ادا ہو گیا۔ روزہ رکھ لیا' فرض ادا ہو گیا۔ صاحب نصاب ہیں تو زکوٰۃ ادا کر دی' صاحبِ استطاعت ہیں تو حج کر لیا' یہ دونوں فرائض بھی ادا ہو گئے۔ اب اور کون سے فرائض ہیں' جن کی ادائیگی کا مطالبہ ہے؟ ''ہاتھی کے پاؤں میں سب کے پاؤں'' کے مصداق آپ بنیادی فرائض کو اگر ایک لفظ میں سمجھنا چاہیں تو وہ ہے ''عبادتِ ربّ'' یعنی اللہ کے بندے بننا۔ (۱)

اسی بات کو واضح کرنے کے لیے قرآن مجید میں دو اصطلاحات اور آتی ہیں۔ ایک ہے: اَطِیْعُوا اللّٰہَ ''اللہ کی اطاعت کرو'' اور دوسری ہے: اَسْلِمُوْا ''سرِ تسلیم خم کرو''۔ مفہوم کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔ اللہ کے بندے بنو' اس کی غلامی اختیار کرو' بندگی کی روش اختیار کرو' اطاعت کرو' گردن جھکا دو' سرِ تسلیم خم کر دو' فرماں برداری کا وطیرہ اپناؤ۔ ان سب کا مفہوم ایک ہی ہے۔ چنانچہ پہلا فرض جو سارے فرائض کی جڑ اور بنیاد ہے' وہ ہے ''عبادتِ ربّ''۔ اور یہ کوئی آسان کام نہیں' بڑا کٹھن ہے۔ اس راہ میں بڑے بڑے موانع ہیں۔ سب سے پہلا مانع ہمارا اپنا نفس ہے ؎

نفسِ ما ہم کمتر از فرعون نیست
لیک اُو را عون ایں را عون نیست!

نفس نہیں مانتا' خواہشاتِ نفس اس راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ پھر ماحول رکاوٹ بنتا ہے۔ خود اپنے بیوی بچے آڑے آتے ہیں۔ برادری نہیں مانتی' رشتہ دار نہیں مانتے۔ اس طرح یکے بعد دیگرے موانع کے کئی دائرے ہیں۔ ان میں سے ایک ایک سے

(۱) اس موضوع پر تفصیلی معلومات کے لیے محترم ڈاکٹر صاحب کی تالیف ''مطالباتِ دین'' کا مطالعہ ان شاء اللہ مفید مطلب ہوگا۔ (مرتب)

نبرد آزما ہونا ہے۔

چوں می گویم مسلمانم بہ لرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را!

عبادتِ ربّ کے ضمن میں ایک بات اچھی طرح واضح رہنی چاہیے کہ عبادت اور بندگی کلی طور پر مطلوب ہے' جزوی مطلوب نہیں ہے۔ غلام تو ہمہ وقت غلام ہوتا ہے' جبکہ ملازمت ایک جزوی معاملہ ہوتا ہے۔ عبدیت تو ہمہ تن اور ہمہ وقت بندگی کا نام ہے۔ ازروئے الفاظِ قرآنی: ﴿اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً﴾ (البقرة: ۲۰۸) ''اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ!'' اپنے پورے وجود' اپنی تمام توانائیوں اور صلاحیتوں سمیت اسلام میں داخل ہونا پڑے گا۔ اپنے نفس کی تمام خواہشات کو اللہ کی فرماں برداری کا خوگر بنانا ہوگا۔ یہاں اگر ایک حکم بھی جان بوجھ کر سرکشی کے جذبے کے تحت توڑا اور اس پر اصرار کیا تو یہ ایک نافرمانی سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دے گی۔ ازروئے الفاظ قرآنی:

﴿بَلٰی مَنْ کَسَبَ سَیِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِیْٓـئَتُهٗ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿٨١﴾﴾ (البقرة)

''کیوں نہیں! جس کسی نے (اپنے دلی ارادے کے ساتھ) ایک برائی کمائی اور اس کی خطاکاری نے اس کو گھیرے میں لے لیا تو یہی لوگ دوزخی ہیں' وہ اُسی میں ہمیشہ رہیں گے''۔

دین میں جزوی اطاعت نہیں' کلی اطاعت درکار ہے۔ جزوی اطاعت پر تو قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے غیظ وغضب کا اظہار فرمایا ہے:

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِکَ مِنْکُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُرَدُّوْنَ اِلٰٓی اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٨٥﴾﴾ (البقرة)

''تو کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصے کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ پس تم میں سے جو لوگ ایسا کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ

\Meesaaq_2006_PDF\meesaq november06\ms19-09 qurb-e-elahi kw dv mratib-1.inp 8/20/2014 12:31 PM PAGE 2 (1,1)

دنیا کی زندگی میں ذلیل وخوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید عذاب کی طرف پھیر دیے جائیں؟ اللہ اُن حرکات سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو''۔

اس آیت کے تیور پہچانیے۔ اس میں کس قدر غیظ و غضب کا اظہار ہو رہا ہے کہ یہ کیا روش ہے اور یہ کیا اطاعت ہے کہ تم کتاب کی کچھ باتیں مانتے ہو اور کچھ نہیں مانتے؟ یہ حکم ہمارا تھا' یہ سر آنکھوں پر! اور وہ حکم بھی ہمارا تھا' اُسے پاؤں تلے روند دیا! اس ڈھٹائی اور اس گستاخی کی سزا یہی ہے کہ دنیا میں تم کو ذلیل و رسوا کر کے رکھ دیا جائے اور آخرت میں شدید ترین عذاب میں جھونک دیا جائے۔ اور اس غرّے میں نہ رہنا کہ تم اللہ کو دھوکہ دے لو گے اور وہاں بھی تمہارا فریب چل جائے گا۔ جان لو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اُس سے بے خبر نہیں ہے۔

اس آیت کے اصل مخاطب یہود ہیں اور اس میں ان کے اس عظیم ترین جرم کا ذکر ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین و شریعت کے ساتھ روا رکھا تھا۔ لیکن قرآن کا یہ اسلوب ہے کہ اُمم سابقہ کے حالات و واقعات' ان کی بداعمالیاں' ان کے کرتوت اور ان کے نتیجے میں وہ دنیا میں جس انجامِ بد سے دوچار ہوئے' اس کا ذکر سبق آموزی اور عبرت پذیری اور اُمت محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے انتباہ کے لیے بھی ہوتا ہے کہ دیکھنا نافرمانی اور سرکشی کی وہ روش اور طرزِ عمل اختیار نہ کرنا جو مغضوب و ضال اُمم نے اختیار کیا تھا۔ اگر تم نے بھی وہی کچھ کیا جو انہوں نے کیا تھا تو ہمارا قانون بے لاگ ہے' ہماری سنت اٹل ہے۔

﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿٤٣﴾﴾ (فاطر)

''پس (یہی بات ہے تو) تم اللہ کے طریقے میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے' اور تم اللہ کی سنت کو اس کے مقرر راستے سے پھرا ہوا ہرگز نہ پاؤ گے''۔

تمہارے ساتھ بھی وہی کچھ سلوک ہوگا جو نافرمان اور سرکش اممِ سابقہ کے ساتھ ہو چکا ہے۔

عبادتِ ربّ وہ فریضہ ہے جس کے لیے ہماری تخلیق ہوئی۔ سورۃ الذّٰریٰت میں

ارشاد ہوا:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾

''اور نہیں پیدا کیا میں نے جنوں اور انسانوں کو مگر اس لیے کہ وہ میری بندگی کریں''۔

تمام انبیاء و رُسل علیہم الصلوٰۃ والسلام اسی دعوت اور اسی پکار کے ساتھ مبعوث ہوئے:

﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ (الاعراف:۵۹، ۶۵، ۷۳، ۸۵)

''اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو' اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔''

اور:

﴿اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ﴾ (نوح)

''یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کی نافرمانی سے بچو اور میری اطاعت کرو۔''

قرآن مجید بھی آیا تو یہی دعوت اور پکار لیے ہوئے:

﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرۃ)

''اے بنی نوع انسان! اپنے اُس پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے پہلے لوگوں کو بھی' تاکہ تم بچ سکو۔''

تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کی اُمتوں کو یہی حکم دیا گیا کہ وہ ہر طرف سے مُنہ موڑ کر اور یکسو ہو کر صرف اللہ کی بندگی کریں اور اپنی اطاعت کو اسی کے لیے خالص کریں۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ﴾ (البیّنۃ:۵)

''اور ان کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ بندگی کریں اللہ کی' اُس کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے' (ابراہیمؑ کی طرح) یکسو ہو کر''۔

عبادت کا جزوِ لازم — دُعا

عبادت کے ضمن میں ایک انتہائی اہم شے ''دعا'' ہے' جسے نبی اکرم ﷺ نے عبادت کا جوہر بھی قرار دیا ہے: ((اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ))[1] اور یہ بھی ارشاد فرمایا ہے

(۱) سنن الترمذی' کتاب الدعوات' باب منه۔

\Meesaaq_2006_PDF\meesaq november06\ms19-09 qurb-e-elahi kw dv mratib-1.inp 8/20/2014 12:31 PM PAGE 3 (1,1)

کہ دعا ہی اصل عبادت ہے: ((اَلدُّعَاءُ ھُوَ الْعِبَادَۃُ))☆۔

قرآن مجید نے اس کی طرف ان الفاظ میں دعوت دی ہے کہ:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ۝۶۰﴾ (المؤمن)

''اور تمہارا ربّ فرماتا ہے کہ مجھ ہی کو پکارو (مجھ ہی سے مانگو) میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا' بے شک جو لوگ گھمنڈ میں آ کر میری عبادت سے مُنہ موڑتے ہیں وہ عنقریب ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے''۔

سورۂ بنی اسرائیل (آیت ۲۳) میں ایک قاعدہ کلیہ اور اٹل فیصلے کے طور پر فرمایا:

﴿وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ﴾

''آپ کے ربّ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اُسی کی''۔

الغرض عبادتِ ربّ کی دعوت قرآن حکیم کا اصل موضوعِ خطاب ہے۔

عبادتِ ربّ کے دو تقاضے

اس عبادتِ ربّ سے دو چیزیں اور نکلتی ہیں۔ اگر عبادت صحیح رُخ پر ہے' دھوکہ اور فریب نہیں ہے' جزوی نہیں' کلی ہے تو جب آپ اللہ کے بندے بنیں گے تو آپ کی شخصیت سے عبادتِ ربّ کی ایک خاموش تبلیغ خود بخود شروع ہو جائے گی۔ آپ جو کچھ کر رہے ہیں' لوگ اُسے دیکھ رہے ہیں۔ لوگوں کے دل میں آپ سے آپ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ شخص ایسا کیوں کر رہا ہے! اس نے یہ کام کیوں کیا؟ چنانچہ کوئی شخص اس لیے نقصان اٹھالے کہ وہ اللہ کی بندگی کا دعوے دار ہے اور وہ بڑے سے بڑے فائدے کے راستے کو صرف اس لیے اختیار نہ کرے کہ اس میں اللہ کی نافرمانی ہوتی ہے تو یہ ہے اصل اور حقیقی تبلیغ۔ کوئی بندۂ مؤمن دین کی خاطر زمانے کے غیر اسلامی چلن کو چھوڑ کر خطرات مول لے' مالی نقصانات انگیز کرے' استہزاء گوارا کرے تو ماحول پر اس

☆ سنن الترمذی' کتاب تفسیر القرآن' باب ومن سورة المؤمن۔ وسنن ابی داوٗد' کتاب الصلاۃ' باب الدعاء۔

کے وہ اثرات مترتب ہوتے ہیں جو خالی خولی وعظوں سے نہیں ہو سکتے۔ جب لوگوں کو یہ معلوم ہوگا کہ یہ شخص یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کے جذبے سے کر رہا ہے' اللہ کے حکم کے مطابق کر رہا ہے تو ان کے جو احساسات ہوں گے' ان کا آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اس سے بڑی تبلیغ کوئی ہے ہی نہیں' چاہے آپ نے ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالا ہو۔

پھر اگر شرافت ومرّوت ہے تو جو چیز آپ نے اپنے لیے پسند کی ہے تو کیا وہی چیز آپ اپنے بھائی کے لیے پسند نہیں کریں گے؟ اگر غیرت وحمیت ہے تو اللہ کے دین کے خلاف جو عمل آپ کو نظر آئے گا اس پر آپ کے خون میں جوش نہیں آئے گا؟ آپ کی غیرت بھڑکے گی نہیں؟ یہ سارے تقاضے ہیں جو عبادت ربّ کا راستہ اختیار کرنے سے اُبھرتے ہیں۔ دعوت وتبلیغ' نصیحت وتلقین' امر بالمعروف ونہی عن المنکر' یہ سب برگ وبار اور ثمرات عبادتِ ربّ کے شجرۂ طیبہ سے آپ سے آپ پھوٹیں گے۔ خود ہی غور کیجیے کہ اگر آپ اللہ کا بندہ بننا چاہتے ہوں تو یہ کیسے ممکن ہے جب تک آپ اپنے اردگرد بندگیٔ ربّ کا ایک ماحول پیدا نہ کریں! آپ اپنے گھر میں بھی اللہ کے بندے نہیں بن سکتے جب تک پورے گھر میں بندگیٔ ربّ کی چھاپ موجود نہ ہو۔ بیوی بھی اللہ کی بندی ہو' اولاد بھی اللہ کی بندگی کو اختیار کیے ہوئے ہو تو گھر میں بندگیٔ ربّ کا ماحول بنے گا۔ اس سے آگے آپ کے لیے ضروری ہوگا کہ محلے میں بندگیٔ ربّ کا ماحول پیدا کر دیں' ورنہ آپ کا بچہ باہر نکلے گا تو گالی سیکھ کر آئے گا' وہ خدا کے کسی حکم کی خلاف ورزی سیکھ کر آئے گا۔ آپ اسے کسی تہہ خانے میں بند کر کے تو نہیں رکھ سکتے۔ چنانچہ اگر آپ فی الواقع بتمام وکمال خود اللہ کا بندہ بننا چاہتے ہیں تو آپ کو اپنے محلے میں' اپنی آبادی میں' اپنے شہر میں' اپنے ملک میں اور پھر پوری دنیا میں عبادتِ ربّ کا نظام قائم کرنا ہوگا۔

عبادتِ ربّ کا لازمی تقاضا — ''اقامت دین''

اس طرح عبادتِ ربّ ہی کے لازمی تقاضے کے طور پر ہمارے سامنے دین کا یہ مطالبہ آتا ہے: ﴿اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ﴾ (الشوریٰ:۱۳) ''یہ کہ دین کو قائم کرو''۔ یہ

\Meesaaq_2006_PDF\meesaq november06\ms19-09 qurb-e-elahi kw dv mratib-1.inp 8/20/2014 12:31 PM PAGE 4 (1,1)

فریضۂ اقامت دین ہے۔ ماحول پر بندگئ ربّ قائم ہوگئی تو دین قائم ہوگیا۔ چنانچہ اپنے گھر پر دین قائم کرو‘ اپنے محلے اور بستی میں دین قائم کرو‘ اپنے شہر اور ملک میں دین قائم کرو۔ پھر دین کی آفاقی دعوت کے علمبردار بن کر پورے کرۂ ارضی پر اللہ کے دین کے قیام و نفاذ کے لیے جدوجہد کرو۔ سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے الفاظ وارد ہوئے ہیں:

﴿اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ ؕ ذٰلِکَ الدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ﴾ (آیت ۴۰)

’’فرماں روائی اور حکمرانی کا اقتدار و اختیار اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے‘ اُس کا حکم ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو‘ یہی دینِ قیم ہے‘‘۔

آپ نے ملاحظہ کیا کہ اس آیت میں عبادتِ ربّ کے حکم سے پہلے یہ بات واضح کر دی گئی کہ حاکمیت (sovereignty) صرف اللہ ہی کے لیے ہے ؎

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری!

اور جب پورا نظامِ زندگی اللہ کی حاکمیت کے تصور پر قائم ہو تو اسی کا نام ہے ’’الدین القیم‘‘۔

لفظ دین کا حقیقی مفہوم

دین کا اصل مفہوم ’’جزا و سزا‘‘ اور ’’بدلہ‘‘ ہے۔ اس بنیادی تصور کے تمام مقتضیات اور لوازم کے اجتماع سے قرآن مجید کی مخصوص اصطلاح ’’الدّین‘‘ بنی ہے۔ چنانچہ دین کے معنی ہیں ایک پورا نظامِ زندگی‘ مکمل ضابطۂ حیات اور اکمل واتم دستور و آئینِ اطاعت‘ جس میں ایک ہستی یا ادارے کو مطاع‘ مقنن (Law Giver) اور حاکمِ مطلق (Absolute Sovereign) مان کر اس کی سزا کے خوف اور اس کے انعام کے ذوق وشوق سے اس کے عطا کردہ یا جاری و نافذ قانون اور ضابطے کے مطابق اس ہستی یا ادارے کی کامل اطاعت کرتے ہوئے زندگی بسر کی جائے۔ پس اقامت دین کا حکم عبادتِ ربّ ہی کے اس عہد کا تقاضا ہے کہ جس کی ہم ہر نماز کی ہر رکعت میں تجدید کرتے

ہیں کہ ''اِیَّاکَ نَعۡبُدُ'' یعنی ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور کریں گے۔ چنانچہ لازم ہے کہ ہم خود بھی حقیقی معنوں میں اللہ کے بندے بنیں اور ساتھ ہی ہم اپنے گھر پر' اپنے محلے اور بستی پر' اپنے شہر اور ملک پر اور پھر کُل روئے زمین پر عبادتِ ربّ کا نظام یا بالفاظِ دیگر دین الحق کو قائم' غالب اور نافذ کرنے کی سعی و کوشش کریں۔ اسی کے لیے محنت ہو' اسی کے لیے تگ ودَو ہو' اسی کے لیے بھاگ دوڑ ہو' اسی کے لیے سونا ہو' اسی کے لیے اٹھنا ہو' اسی کے لیے بیٹھنا ہو' اسی کے لیے جینا اور مرنا ہو' اسی کے لیے لوگوں سے جا کر ملنا ہو' اسی کے لیے اپنے ذہن وفکر کی قوتوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لانا ہو' اسی کے لیے جسم و جان کی توانائیوں کو کھپانا اور اسی کے لیے سوچ بچار کرنا ہو۔ یہ ساری چیزیں عبادتِ ربّ میں شامل ہیں۔ یہی سنت رسول ﷺ ہے اور یہی تقرب الی اللہ بالفرائض ہے۔ تینوں باتیں ایک ہی ہیں۔ اور یہی ہے سلوکِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام۔

آنحضور ﷺ کے اُمتی ہونے کے لوازم

مسلمان ہونے کے اعتبار سے ہماری دو نسبتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ ہم اللہ کے بندے ہیں اور دوسری یہ کہ ہم محمدٌ رسول اللہ ﷺ کے اُمتی ہیں۔ اب تک میں نے عبادتِ ربّ کے ضمن میں چند چیزیں آپ کے سامنے رکھی ہیں۔ دعوت' تبلیغ' تلقین' نصیحت' امر بالمعروف' نہی عن المنکر۔ دین کو اپنے گھر' اپنے محلے' شہر' ملک اور پوری دنیا میں قائم کرنے کی جدوجہد' یہ سب عبادتِ ربّ ہی کے تقاضے ہیں۔ اب آیئے غور کریں کہ محمد ﷺ کے اُمتی ہونے کے اعتبار سے ہمارے فرائض اور ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کے اُمتی ہونے کی وجہ سے اس میں ایک مزید رُخ (dimension) اور پہلو (aspect) کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایک وہ شخص ہے جو اپنے طور پر بندگیٔ ربّ کے تقاضے کے طور پر یہ کام کر رہا ہے اور ایک وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ مامور فرما دے کہ تجھے کرنا ہی یہ کام ہے۔ اب معاملہ بہت بلند اور ارفع ہو گیا۔ جناب محمد ﷺ اللہ کے بندے بھی ہیں اور رسول بھی ہیں۔ **نَشۡهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ** ــــ نوعِ انسانی کے لیے نصح و خیرخواہی اور اس کی نجات کے لیے

\Meesaaq_2006_PDF\meesaq november06\ms19-09 qurb-e-elahi kw dr mratib-1.inp 8/20/2014 12:31 PM PAGE 5 (1,1)

فکرمند اور متمنی ہونا آپ ﷺ کی عبدیت کا بھی تقاضا تھا‘ جبکہ رسول ہونے کی حیثیت سے آپؐ اس کام پر مامور من اللہ ہو گئے‘ اب آپؐ ایک ایک شخص کے پیچھے جایئے‘ ایک ایک کے گھر پر دستک دیجیے‘ ایک ایک کے دل پر جا کر صدا لگایئے۔ آپؐ کا معاملہ عام اولیاء اللہ والا نہیں ہے۔ آپؐ کو جب رسول بنا کر مامور کیا گیا ہے تو آپؐ کی ذمہ داری سوا ہو گئی ہے۔

ہر اُمتی ’’رسول‘‘ ہے

ہمارا ایمان ہے کہ نبوت و رسالت محمدٌ رسول اللہ ﷺ پر اختتام کو پہنچی اور اکمال و اتمام کو بھی۔ اب کارِ رسالت کی ذمہ داری اُمت محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر بحیثیت اُمت عائد کر دی گئی ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ﴾ (البقرۃ:۱۴۳)

’’اور اسی طرح ہم نے تمہیں اُمت وسط (بہترین گروہ) بنایا ہے تاکہ تم (دنیا کے) لوگوں پر گواہی دینے والے بن جاؤ اور رسول تم پر گواہی دینے والا بنے۔‘‘

مزید فرمایا:

﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ښ﴾ (الحج:۷۸)

’’اور (اے ایمان لانے والو!) اللہ کے لیے جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اُس نے تمہیں (اپنے اس کام کے لیے) چن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ قائم ہو جاؤ اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر۔ اس نے پہلے بھی تمہارا نام ’’مسلم‘‘ رکھا تھا اور اس (قرآن) میں بھی (تمہارا یہی نام ہے) تاکہ تم پر گواہ ہو جائیں رسول اور تم لوگوں (بنی نوع انسان) پر گواہی دینے والے بن جاؤ‘‘۔

ایک مقام پر فرمایا:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

''تم (دنیا میں اب) بہترین اُمت ہو جسے لوگوں (کی رہنمائی اور ہدایت و اصلاح) کے لیے برپا کیا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو''۔

یہ تمام آیات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ ختم نبوت و رسالت کے بعد کارِرسالت کی ذمہ داری یعنی نوعِ انسانی پر اپنے قول وعمل سے حق کی شہادت دینا، جیسے آنحضرت ﷺ نے اُمت پر دی، اُمت محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے کاندھوں پر عائد کردی گئی ہے۔ گویا اب اُمت محمد ﷺ کا ایک ایک فرد ''رسول'' ہے۔

جن لوگوں نے اناجیل کا مطالعہ کیا ہے انہوں نے دیکھا ہوگا کہ ان میں ایک مستقل باب ہے ''رسولوں کے افعال'' (Acts of the Apostles)۔ یہ رسول (apostles) کون ہیں؟ یہ تھے حوارییِن حضرت مسیح علیہ السلام۔ البتہ ان کا تصور ہمارے تصور سے مختلف ہے۔ انہوں نے حضرت مسیحؑ کو ابن اللہ قرار دے کر الوہیت کے مقام پر پہنچایا تو اُن کے شاگردوں کو باقاعدہ رسول بنا دیا۔ اس طرح انہوں نے ان کو ایک درجہ اونچا اٹھا دیا۔ ہمارا تصور یہ ہے کہ اللہ نے بھیجا اپنے رسول ﷺ کو۔ رسول اللہ ﷺ نے اُمتیوں کو اسی کام کے لیے لوگوں کی طرف بھیجا کہ جاؤ لوگوں تک یہ دعوت پہنچاؤ، اس کی تبلیغ کرو۔ مثلاً آنحضور ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی۔ دارِارقم میں آنجنابؐ کی مجلس میں چند صحابہ کرامؓ حاضر ہوتے تھے۔ وہ آنحضرتؐ سے نازل شدہ وحی سیکھتے اور مکہ میں ان لوگوں کو پہنچا دیتے جو ایمان لا چکے تھے، لیکن ہمہ وقت صحبت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں حاضر نہیں رہ سکتے تھے۔ یہ اصحاب رسولؐ گویا ایک طرح پیغامِ وحی پہنچانے کے لیے ''پیغامبر'' کا فریضہ انجام دیتے تھے اور اس طرح کارِ رسالت میں آنحضرت ﷺ کے ''رسول'' تھے۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ ۱۱ نبوی میں بارہ اشخاص یثرب (مدینہ منورہ) سے آئے اور بیعتِ عقبہ ٔ اولیٰ ہوئی۔ اس موقع پر ان حضراتؓ نے نبی اکرمﷺ سے درخواست کی کہ ہمیں کوئی ایسا شخص دیجیے جو ہمیں قرآن پڑھائے اور احکامِ اسلام سکھلائے۔ آنحضورﷺ نے اس خدمت کے لیے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو مامور فرمایا۔ وہ اللہ کے رسولؐ کے فرستادہ یعنی ''اللہ کے رسولؐ کے رسول'' تھے۔ اس معنی میں ہر اُمتی اللہ کے رسولﷺ کا رسول ہے۔ ایرانی افواج کے سپہ سالار رستم نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے جب ایران پر یلغار کا سبب معلوم کیا تھا تو اس کے جواب میں حضرت سعدؓ نے یہ تاریخی الفاظ کہے تھے:

اِنَّا قَدْ اُرْسِلْنَا لِنُخْرِجَ النَّاسَ مِنْ ظُلُمَاتِ الْجَھَالَۃِ اِلٰی نُوْرِ الْاِیْمَانِ وَمِنْ جَوْرِ الْمُلُوْکِ اِلٰی عَدْلِ الْاِسْلَامِ

''بلاشبہ ہم بھیجے گئے ہیں تاکہ لوگوں کو جہالت کے اندھیروں سے نورِ ایمان کی طرف اور بادشاہوں کے ظلم وستم سے عدلِ اسلام کی طرف نکالیں''۔

اس میں لفظ ''اُرْسِلْنَا'' خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ حضرت سعدؓ صاف بتا رہے ہیں کہ ''ہم خود نہیں آئے' بھیجے گئے ہیں'' اور بھیجنے والے کون ہیں؟ جناب محمدٌ رسول اللہﷺ! یہ لوگوں کو جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر نورِ ایمان سے بہرہ مند کرنے اور ملوک و سلاطین کے پنجۂ جور وستم سے نجات دلا کر اسلام کے نظامِ عدل وانصاف سے مستفید کرنے کے لیے بھیجے ہوئے لوگ ہیں۔ یہ ہیں رسول اللہﷺ کے رسول' آنحضرتﷺ کے فرستادہ۔ یہ ہیں وہ نفوسِ قدسیہ جو سلوکِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی ارفع اور بلند ترین منزلیں طے کرنے کی خاطر میدانِ قتال میں جان ہتھیلی پر رکھ کر نکلے تھے۔

خلافت راشدہ میں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اسی کارِ رسالت محمدﷺ کی انجام دہی اور نبی اکرمﷺ کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے ایک ہاتھ میں قرآن مجید اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لے کر نکلے تھے۔ وہ اس

لیے نکلے تھے کہ حجۃ الوداع میں دینِ متین کی اہم تعلیمات کی تذکیر‘ حقوقِ انسانی کا ایک منشور اور ہدایاتِ ربّانی کا ایک خلاصہ پیش فرمانے کے بعد آنحضورﷺ نے کمالِ حکمت کے ساتھ شہادت علی الناس [1] اور دعوت و تبلیغ دینِ حق کی ذمہ داری اُمت کی طرف اس طرح منتقل فرما دی کہ خطبے کے آخر میں آپﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مجمع سے دریافت فرمایا: ((اَلَا ھَلْ بَلَّغْتُ)) ”لوگو! میں نے (خدا کا پیغام) تم تک پہنچا دیا کہ نہیں؟“ آنحضرتﷺ نے یہ بات تین مرتبہ دریافت فرمائی اور صحابہؓ نے تینوں مرتبہ جواب دیا: ”جی ہاں!“ صحیح مسلم کی روایت میں صحابہ کرامؓ کا جواب ان الفاظ میں نقل ہوا ہے: نَشْھَدُ اَنَّکَ قَدْ بَلَّغْتَ وَاَدَّیْتَ وَنَصَحْتَ[2] ”ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ نے (خدا کا پیغام) پہنچا دیا‘ حقِ امانت اور حقِ نصح و خیر خواہی ادا فرمایا“۔ اس کے بعد آنحضورﷺ نے آسمان کی طرف نگاہیں اٹھائیں اور انگشتِ شہادت سے آسمان کی طرف اور پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع کی طرف اشارہ کر کے تین مرتبہ ارشاد فرمایا: ((اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ)) ”اے اللہ تو بھی گواہ رہ!“ پھر دعوت و تبلیغ اور کارِ رسالت کی ذمہ داری اُمت کی طرف یہ ہدایت دے کر منتقل فرما دی کہ: ((فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ))[3] ”پس اب جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ اُن تک پہنچائیں جو یہاں نہیں ہیں“۔

ختمِ نبوت کا لازمی تقاضا

یہ ختمِ نبوت و رسالت کا لازمی نتیجہ ہے کہ اُمتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اجتماعی طور پر کارِ رسالت کی انجام دہی پر مامور کی گئی ہے اور اُمتِ مرحومہ کا ہر فرد دعوت و تبلیغ‘ شہادت علی الناس اور اقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے مامور ہے اور وہ رسول اللہﷺ کا رسول ہے۔ آنحضورﷺ نے یہ فرما کر ہر اُمتی کے لیے کارِ رسالت کی انجام

(۱) تفصیل کے لیے ڈاکٹر صاحب کی تالیف ”مطالباتِ دین“ کا مطالعہ مفید مطلب ہوگا۔
(۲) صحیح مسلم‘ کتاب الحج‘ باب حجۃ النبی ﷺ۔
(۳) صحیح البخاری‘ کتاب الحج‘ باب الخطبۃ ایام منی۔

\Meesaaq_2006_PDF\meesaq november06\ms19-09 qurb-e-elahi ke dr mratib-1.inp 8/20/2014 12:31 PM PAGE 7 (1,1)

دہی میں آسانی پیدا فرمادی ہے کہ: ((بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَۃً))(۱) ''پہنچاؤ میری جانب سے چاہے ایک ہی آیت پہنچاؤ''۔ شخصاً رسالت ختم ہوگئی' تاہم اُمت کی حیثیت سے اُمت محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام فریضۂ رسالت کی ادائیگی پر مامور ہوگئی۔ یہ ہے نبی اکرمﷺ کے امتی ہونے کے اعتبار سے ہماری ذمہ داری کا دوسرا رُخ۔ چنانچہ ہر اُمتی پر لازم ہے' واجب ہے' فرض ہے کہ وہ دعوت وتبلیغ' تلقین ونصیحت' امر بالمعروف ونہی عن المنکر' شہادت علی الناس اور اقامتِ دین کے لیے اپنے جان و مال کو لگائے اور کھپائے۔ جس طرح رسول اللہﷺ نے تیئیس سالہ مسلسل محنت شاقّہ اور جاں گسل مساعی کے نتیجے میں جزیرہ نمائے عرب کی حدتک اللہ کے دین کو عملاً قائم و نافذ کیا ویسے ہی اب اُمت کے ذمہ ہے کہ وہ پورے روئے زمین پر اللہ کے دین کو قائم و نافذ کرنے کی جدوجہد کرے۔

یہ ہیں ازروئے قرآن ہمارے فرائضِ دینی۔ ہم جن فرائض (نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج) سے واقف ہیں' وہ اسلام کے ارکان ہیں اور عبادت کے ہمہ گیر تصور کا جزوِ لاینفک ہیں' لیکن ہمیں تو پوری زندگی عبادتِ ربّ میں بسر کرنی ہے' لٰہذا عبادتِ ربّ ہی کے تقاضے کے طور پر مذکورہ بالا تمام امور ہمارے دینی فرائض میں شامل ہیں۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ فرائض دینی کا جو اصل اور حقیقی تصور ہے وہ بدل گیا ہے اور فرض عبادات (نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج) ہی کو کُل عبادت سمجھ لیا گیا ہے۔ اس طرح اصل اور بنیادی فرائض یعنی عبادتِ ربّ' شہادت علی الناس اور اقامتِ دین کا تصور نگاہوں سے اوجھل ہوگیا ہے۔ حالانکہ بات بالکل سیدھی' صاف اور آفتاب کی طرح روشن ہے کہ دین اصلاً اللہ کا ہے ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ﴾ اس کی دعوت وتبلیغ اور اس کو کُل جنس دین یعنی نظام ہائے اطاعت پر غالب کرنا ﴿لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ﴾ اصلاً فرضِ منصبی ہے رسول اللہﷺ کا۔ چنانچہ آپؐ کو حکم ہوا: ﴿قُمْ فَاَنْذِرْ ۝۲ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ ۝﴾ (المدّثّر) اب جو لوگ اللہ اور رسولؐ پر ایمان کے مدعی اور دعوے

(۱) صحیح البخاری' کتاب احادیث الانبیاء' باب ما ذکر عن بنی اسرائیل۔

دار ہوں اُن کے خلوص و اخلاص کا اصل امتحان اور اصل کسوٹی یہ ہے کہ اگر اپنا تن من اس کام میں کھپا دیں اور اللہ اور رسولؐ دونوں کے مددگار ہونے کا مرتبہ حاصل کر لیں ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ﴾ کامیاب و کامران، ورنہ خائب و خاسر اور ناکام و نامراد قرار پائیں گے۔

یہ ختم نبوت و رسالت کا ایک لازمی و لابدی تقاضا ہے کہ جو فرائضِ منصبی آنحضور ﷺ کے تھے آپؐ کے بعد اب وہ سب کے سب آپؐ کی اُمت کے ذمے ہیں۔ گویا خواہ دعوت و تبلیغ، انذار و تبشیر، تعلیم و تربیت اور اصلاح و تزکیہ ہو جو بعثتِ انبیاء و رُسل کی غرضِ اصلی اور غایتِ اولیٰ رہی ہے، خواہ اعلاءِ کلمۃ اللہ، شہادت علی الناس، اقامتِ دین اور اظہارِ دین الحق علی الدین کلہ ہو جو بعثتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا مقصدِ امتیازی اور منتہائے خصوصی ہے، یہ سارے فرائض اب ان لوگوں پر عائد ہوتے ہیں جو النبی الخاتم، رسولِ کامل و اکمل جناب محمد ﷺ کے اُمتی ہونے کے مدعی ہیں اور جو آپؐ کے نامِ نامی اسمِ گرامی سے منسوب ہونے پر فخر کرتے اور آپؐ کی اُمت میں ہونے کو موجبِ سعادت سمجھتے ہیں۔ اس لیے کہ آنحضور ﷺ آخری نبی و رسول ہیں اور آپؐ دو بعثتوں کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں۔ ایک اپنے زمانے کے اہل عرب کی جانب اور دوسری تا قیامِ قیامت پوری نوعِ انسانی کی جانب۔ [1] از روئے آیاتِ قرآنی: ﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ (الجمعۃ: ۲)، ﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا﴾ (سبا: ۲۸) اور ﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۝۱۰۷﴾ (الانبیاء) نبی و رسولِ آخر الزمان ﷺ کا مشن زندہ ہے، تابندہ ہے اور تا قیامِ قیامت زندہ رہے گا۔ اب حضورؐ کے ہر اُمتی کا یہ فرضِ منصبی ہے کہ وہ کارِ رسالت کے اس تسلسل کو جاری و ساری رکھے اور اس راہ میں اپنی جان، اپنا مال اور اپنی تمام توانائیوں اور صلاحیتوں کو کھپا دینے کو اپنا فرضِ عین سمجھے اور اس کو اپنے لیے سعادت متصور کرے۔

---

(۱) اس مسئلے کی شرح و بسط سے تفہیم کے لیے ڈاکٹر صاحب کی تالیفات ”نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت“ اور ”دعوت الی اللہ“ کا مطالعہ ان شاء اللہ مفید رہے گا۔ (مرتب)

\Meesaaq_2006_PDF\meesaq november06\ms19-09 qurb-e-elahi ke dr mratib-1.inp 8/20/2014 12:31 PM PAGE 8 (1,1)

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے!

التزام جماعت کی ضرورت واہمیت

اب سوال یہ ہے کہ ان فرائض دینی سے عہدہ برآ ہونا کیا واقعتاً انفرادی طور پر ممکن ہے؟ اس سوال پر نظری اور عملی دونوں اعتبارات سے غور کیجیے۔ تقرب بالنوافل یقیناً انفرادی طور پر ہی ہوگا‘ اس میں اجتماعیت نہیں ہوگی۔ احناف کے نزدیک نفل نماز باجماعت (استثنائی حالات مثلاً تراویح وغیرہ کے علاوہ) پڑھنا مکروہ ہے۔ لیکن غور کیجیے کہ کیا تقرب بالفرائض انفرادی حیثیت میں ممکن ہے؟ فریضۂ شہادت علی الناس کی ادائیگی اور اقامتِ دین کی جدوجہد انفرادی اعتبار سے ممکن ہے؟

اگر فی الواقع تقرب بالفرائض انفرادی طور پر ممکن ہوتا اور اگر دین کا قیام واظہار‘ غلبہ اور نفاذ انفرادی طور پر ممکن ہوتا تو اللہ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ضرور ہو جاتا جن کے ساتھ ایک دوسرے پیغمبر حضرت ہارون علیہ السلام بھی موجود تھے۔ لیکن اُمت نے ان کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا اور برملا کہہ دیا کہ ہم قتال نہیں کریں گے۔ حالانکہ حضرت موسیٰؑ نے ان کو بشارت دی تھی کہ ''ارضِ مقدس میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے۔ پیچھے نہ ہٹو ورنہ ناکام و نامراد پلٹو گے''۔ لیکن ان کا طرزِ عمل یہ تھا کہ:

﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿٢٢﴾﴾ (المائدۃ)

''انہوں نے کہا: اے موسیٰ! وہاں تو زبردست لوگ رہتے ہیں‘ ہاں اگر وہ وہاں سے نکل گئے تو ہم داخل ہونے کے لیے تیار ہیں۔''

ان میں کے دو مؤمنین صادقین نے ان کو اللہ پر توکل رکھنے کی تلقین کی اور فتح کی یقین دہانی کرائی‘ لیکن قوم ٹس سے مس نہیں ہوئی اور اللہ کے پیغمبرؑ کے روبرو بڑی ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا۔

﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۝۲۴﴾ (المائدۃ)

''انہوں نے کہا: اے موسیٰ! ہم تو وہاں ہرگز اور کبھی نہیں جائیں گے جب تک وہ وہاں موجود ہیں۔ بس تم اور تمہارا ربّ دونوں جاؤ اور لڑو' ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کے ڈھٹائی پر مبنی اس کورے جواب اور نافرمانی کے اس طرزِ عمل سے اتنے آزردہ اور دل گرفتہ ہوئے کہ دعا کی:

﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ۝۲۵﴾ (المائدۃ)

''(حضرت موسیٰؑ نے) کہا: اے میرے ربّ! میرے اختیار میں کوئی نہیں مگر میری اپنی ذات اور میرا بھائی' پس تو ہمیں ان نافرمان لوگوں سے الگ کر دے''۔

رسول اپنی مرضی سے اپنی قوم سے علیحدہ نہیں ہوسکتا' اس لیے حضرت موسیٰؑ اللہ تعالیٰ سے التجا کر رہے ہیں کہ قوم کے اور اُن کے درمیان تفریق فرما دے۔ قوم کے جہاد وقتال سے انکار پر حضرت موسیٰؑ کے رنج وغم کا یہ عالم ہے کہ وہ بیزاری کا اس بے چارگی کے ساتھ اظہار فرما رہے ہیں۔ یہ ایک طرف قوم کی بدبختی اور بدنصیبی کی علامت ہے تو دوسری طرت حضرت موسیٰؑ کی حمیت وغیرتِ دینی کی نشانی ہے۔ اسی حمیت دینی کے جذبے سے غضب ناک ہو کر حضرت یونس علیہ السلام یہ خطا کر بیٹھے تھے کہ بغیر اللہ کی اجازت کے اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ یہاں اللہ کا جلیل القدر رسول دعا کر رہا ہے کہ اے اللہ! میں ان کے ساتھ رہنا نہیں چاہتا۔ مجھے اجازت دے دے کہ میں ان سے علیحدہ ہو جاؤں! لیکن اللہ کی طرف سے حکم ہوا کہ نہیں' آپ کو ان کے ساتھ ہی رہنا ہوگا۔ یہ صحرائے تیہہ میں بھٹکیں گے اور آپ ساتھ رہیں گے۔

بنی اسرائیل کی ڈھٹائی اور نافرمانی کا نتیجہ یہ نکلا کہ تاریخ کا عمل وہیں رک گیا۔ مشیتِ خداوندی میں ارضِ مقدس ان کو دی جانی طے کی جا چکی تھی' لیکن انہوں نے جہاد وقتال سے انکار کیا تو اس کی ان کو یہ سزا ملی:

﴿قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَلَا تَاْسَ

\Meesaaq_2006_PDF\meesaq november06\ms19-09 qurb-e-elahi ke dr mratib-1.inp 8/20/2014 12:31 PM PAGE 9 (1,1)

عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ﴿۲۶﴾ (المائدة)

''(اللہ نے) فرمایا: اچھا تو یہ ملک چالیس سال تک ان پر حرام ہے' یہ زمین میں مارے مارے پھریں گے۔ ان نافرمانوں پر ہرگز ترس نہ کھاؤ۔''

چنانچہ پوری قوم چالیس سال تک صحرائے سینا میں ٹھوکریں کھاتی رہی۔ اسی صحرانوردی میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا انتقال ہو گیا۔ اللہ کے دو جلیل القدر پیغمبر جو بیک وقت موجود تھے (ایک اکیلا دو گیارہ) وہ قوم کے کورے جواب سے آزردہ اور دل گرفتہ ہو گئے اور تاریخ کا دھارا چالیس سال کے لیے رک گیا۔ اس طرح یہ ثابت ہو گیا کہ اقامت دین کا کام اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ جماعت و تنظیم موجود نہ ہو۔ اگر یہ کام انفرادی طور پر ممکن ہوتا تو ان دو جلیل القدر انبیاء کے ہاتھوں ضرور انجام پاتا۔

اقامت دین اور صحابہؓ کی جماعت

آگے چلیے اور سیرتِ مطہرہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر ایک طائرانہ نگاہ ڈال لیجیے۔ اس عالمِ اسباب اور عالمِ علت و معلول میں جزیرہ نمائے عرب کے اندر اللہ کا دین بتمام و کمال قائم و نافذ ہوا ہے تو آنحضورﷺ کے شانہ بشانہ اُن صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جانفشانیوں' سرفروشیوں' قربانیوں' جدوجہد اور جہاد و قتال کے نتیجے میں ہوا ہے جو اللہ پر' اُس کے رسولﷺ پر اور یومِ آخرت پر پختہ ایمان و ایقان رکھتے تھے اور جو اس کسوٹی پر کھرے ثابت ہوئے تھے جو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحدید کی آیت ۲۵ میں بیان فرمائی ہے:

﴿وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ﴾

''اور تاکہ اللہ دیکھ لے کہ کون مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی غیب میں رہتے ہوئے۔''

آنحضورﷺ پر ایمان لانے والے جان نثاروں کی جو جماعت اور تنظیم قائم ہوئی تھی اس کی مدح اللہ تعالیٰ سورۃ الفتح میں ان الفاظِ مبارکہ سے فرماتا ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِىْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِى التَّوْرٰىةِ ۚۖ وَمَثَلُهُمْ فِى الْاِنْجِيْلِ ۚ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾﴾

’’محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں‘ اور جو لوگ اُنؑ کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ تم جب دیکھو گے انہیں رکوع و سجود اور اللہ کے فضل اور اس کی رضا کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ سجدوں کے اثرات اور نشانات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔ یہ ہے ان کی صفت تورات میں‘ اور انجیل میں ان کی مثال یوں دی گئی ہے کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی‘ پھر اس کو تقویت دی‘ پھر وہ گدرائی‘ پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی‘ کاشت کرنے والوں کو وہ بھلی لگتی ہے تاکہ کفار ان کے پھلنے پھولنے پر جلیں۔ ان میں سے ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں سے اللہ نے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔‘‘

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس جماعت نے دعوت الی اللہ‘ اعلائے کلمۃ اللہ‘ شہادت علی الناس اور اظہارِ دین کے لیے شدائد و مصائب‘ کشمکش و تصادم‘ سعی و محنت اور جہاد و قتال میں جان نثاری اور صبر و مصابرت اور استقامت کی وہ مثالیں قائم کی ہیں جن کی نظیر تاریخِ انسانی آج تک پیش نہیں کرسکی اور نہ آئندہ پیش کرسکے گی۔ وہ خاک و خون میں لوٹے ہیں اور انہوں نے نقدِ جاں کا نذرانہ اللہ کی راہ میں پیش کیا ہے تو اللہ کا دین غالب اور قائم و نافذ ہوا ہے۔ ایسے ہی جان نثاروں کے لیے یہ نوید جانفزا دی گئی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴿۴﴾﴾ (الصّف)

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

غور کیجیے کہ بالفرض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضور ﷺ کی دعوت الی اللہ پر لبیک نہ کہتے' آپؐ کے دست مبارک پر اللہ کے دین کے غلبے کے لیے جان نثاری اور سرفروشی کی بیعت نہ کرتے' استقامت اور صبر ومصابرت کا عملی مظاہرہ نہ کرتے' سمع وطاعت کو اپنا شعار نہ بناتے اور ہجرت وجہاد کو اپنے لیے دنیا وآخرت کی سعادت اور فوز وفلاح ہونے کا یقین نہ رکھتے تو کیا اس عالمِ اسباب میں وہ نتائج برآمد ہوتے جو عہدِ نبوت اور عہدِ خلافت راشدہ میں نکلے اور اس دنیا میں وہ صالح معاشرہ وجود میں آتا جو ہر لحاظ سے نوعِ انسانی کے لیے جنت ارضی ثابت ہوا؟

جماعت کا حکم

مذکورہ بالا دو نظیروں کے بعد مزید کسی عقلی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ عبادتِ ربّ' شہادت علی الناس اور اقامتِ دین کے لیے التزامِ جماعت ناگزیر اور لابُدّ منہ ہے۔ لیکن اس پر مستزاد رسول اللہ ﷺ نے التزامِ جماعت کا حکم بھی فرمایا ہے۔ حضرت حارث اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَنَا آمُرُکُمْ بِخَمْسٍ [اَللّٰہُ اَمَرَنِیْ بِھِنَّ] بِالْجَمَاعَۃِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ وَالْھِجْرَۃِ وَالْجِھَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ)) (مسند احمد و جامع الترمذی)

''(مسلمانو!) میں تم کو پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں: [اللہ نے مجھے ان کا حکم دیا ہے] (۱) جماعت کا (۲) سننے کا (۳) ماننے کا (۴) ہجرت کا (۵) اللہ کے راستے میں جہاد کا''۔

چنانچہ یہ سنت رسول بھی ہے اور اس کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ یہ تقرب بالفرائض کا لازمی حصہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ اُمت کو ان پانچ باتوں کا حکم دے رہے ہیں' لیکن ہمارا تصورِ دین اتنا بدل گیا ہے کہ یہ پانچ باتیں لاکھ میں سے ایک کو بھی یاد نہیں ہوں گی' بلکہ یہ اکثر علماء کو بھی یاد نہیں ہیں۔ مجھے اس حدیث کی سند درکار تھی تو میں نے ایک بہت بڑے عالمِ دین سے رجوع کیا اور ان کو یہ حدیث سنا کر سند معلوم کرنی چاہی۔ فرمانے لگے: ''الفاظ غیر مانوس سے ہیں''' حالانکہ یہ روایت مشکوٰۃ میں موجود ہے اور مشکوٰۃ تو گویا علمِ

حدیث کا قاعدہ ہے جو ہر دارالعلوم کے نصاب میں لازماً شامل ہوتی ہے۔ یہ حدیث مشکوٰۃ میں مسند احمد اور ترمذی کے حوالے سے روایت کی گئی ہے' اور مسند احمد کی روایت میں ((آمُرُکُمْ بِخَمْسٍ)) کے بعد ((اَللّٰہُ اَمَرَنِیْ بِھِنَّ)) کے الفاظ بھی آئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے پہلی بات یہ فرمائی: ((بِالْجَمَاعَۃِ)) ''جماعت کی زندگی اختیار کرو''۔ اور جماعت کیسی؟ چار آنے کی ممبری والی جماعت نہیں۔ کوئی محض جزوی سے تعاون کی طلب گار جماعت نہیں۔ بلکہ جو جماعتی زندگی اختیار کر لینے کا حکم دیا جا رہا ہے اس میں دو باتیں لازمی ہیں: ((وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ)) جس میں ڈسپلن ہو' نظم ہو کہ ''سنو اور اطاعت کرو''۔

ہجرت اور جہاد کا وسیع تر مفہوم

اس جماعت کا کام کیا ہوگا؟ جماعت مقصود بالذات تو نہیں ہے۔ اس جماعت کو جو کام کرنا ہے اس کے دو حصے ہیں۔ ایک ((وَالْھِجْرَۃِ)) اور دوسرا ((وَالْجِھَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ))۔ ہجرت کا وسیع تر مفہوم ہے ہر اُس چیز سے کٹ جاؤ جس سے کٹنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور ہر وہ کام کرو جس کے کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا:

اَیُّ الْھِجْرَۃِ اَفْضَلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟

''کون سی ہجرت افضل ہے اے اللہ کے رسول؟''

آنحضور ﷺ نے فرمایا:

((اَنْ تَھْجُرَ مَا کَرِہَ رَبُّکَ عَزَّوَجَلَّ))(۱)

''یہ کہ تو ہر اُس چیز کو چھوڑ دے جو تیرے ربّ عزیز و جلیل کو پسند نہیں''۔

یہ ہے ہجرت ـــــ اور جہاد کا نقطۂ آغاز کون سا ہے!

یاد کیجیے کہ میں نے اوّلین' مقدم ترین فرض بیان کیا تھا ''عبادتِ ربّ''۔ یہ ہے وہ تنا جس سے فرائض کی تمام شاخیں پھوٹتی ہیں۔ اس فرض کی بجا آوری کے لیے سب سے پہلے اپنے نفس سے کشمکش کرنی پڑتی ہے۔ ایک حدیث میں نفس کے خلاف جہاد کو

(۱) سنن النسائی' کتاب البیعۃ' باب ھجرۃ البادی۔

\Meesaaq_2006_PDF\meesaq november06\ms19-09 qurb-e-elahi kw dv mratib-1.inp 8/20/2014 12:32 PM PAGE 11 (1,1)

”افضل الجهاد“ قرار دیا گیا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَفْضَلُ الْجِهَادِ اَنْ تُجَاهِدَ نَفْسَکَ وَهَوَاکَ فِیْ ذَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰی(۱)))

”افضل جہاد یہ ہے کہ تم اپنے نفس اور اپنی خواہشات کو اللہ تعالیٰ کا مطیع بنانے کے لیے ان کے خلاف جہاد کرو“۔

دراصل سب فرائضِ دینی ایک وحدت ہیں۔ اس شجرۂ طیبہ کی جڑ ہے ایمان اور اس کا تنا ہے عبادتِ ربّ۔ بات ایک ہی ہے خواہ کسی حوالے سے سمجھ لی جائے۔ اتباعِ سنت کے حوالے سے سمجھ لی جائے' یا تقرب الی اللہ کے حوالے سے' یا اس حوالے سے سمجھ لی جائے کہ ازروئے قرآن حکیم دینی فرائض کا تصور کیا ہے!

اہل پاکستان کی خصوصی ذمہ داری

اس پر مستزاد ہم پاکستانیوں کا معاملہ یہ ہے کہ اسلام ہمارا دین ہی نہیں ہے دُنیا بھی ہے۔ ہم تو ”ناچار مسلمان شو“ پر مجبور بھی ہیں۔ اچھی طرح جان لیجیے کہ ہمارا دنیا میں ”دین“ کے قیام و نفاذ کے بغیر کوئی ٹھکانہ نہیں۔ دین کے نفاذ سے اعراض و اغماض کی سزا کے طور پر ہمارا ملک دولخت ہوا۔ اب پھر دین سے بے اعتنائی' لاتعلقی بلکہ اس کے خلاف افعال و اعمال کی پاداش میں موجودہ پاکستان بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو سکتا ہے۔ اس کے خلاف عالمی سطح پر سازشیں ہو رہی ہیں۔ بہرحال ہمیں یہ غور کرنا ہے کہ اس سلسلہ میں ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں!

یہ بات پیشِ نظر رہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے اولیاء کے ضمن میں معاملہ بڑا مختلف ہے۔ اگر یہاں صحیح معنی میں چند لوگ گفتار و کردار کے لحاظ سے اللہ کے ولی بن جائیں تو ہو سکتا ہے کہ ان کی وجہ سے اس ملک کی کشتی بھنور سے نکل سکے اور بیڑا پار لگ سکے۔ وہ بات غلط نہیں ہے جو فارسی کے اس شعر میں کہی گئی ہے ؎

---

(۱) سلسلة الاحاديث الصحيحة للالبانی : ۱۴۹۶۔ رواه ابونعیم فی ”الحلیة“ (۲۴۹/۲) والدیلمی (۱۲۸/۱/۱)۔ کنز العمال ۲۶۹/۴۔

تا دلِ صاحب دلے نامد بہ درد
ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد!

اللہ تعالیٰ کو اپنے اولیاء اتنے محبوب ہوتے ہیں کہ بعض اوقات کسی ایک ولی کا دکھ بھی اسے گوارا نہیں ہوتا اور اس کے ساتھ اس کا اتنا کچھ تعلق ہوتا ہے کہ پوری پوری قوموں کے فیصلے اس کے حوالے سے ہو جاتے ہیں۔ پاکستان میں اقامت دین کی جدوجہد کا راستہ یہی ہے کہ ایک تنظیم اور جماعت ہو جو خود بھی عبادت ربّ کی راہ پر گامزن ہونے کی مخلصانہ کوشش کرے اور لوگوں کو بھی اس کی طرف دعوت دے۔ اس کے سوا کوئی اور چارۂ کار نہیں ہے۔ انفرادی طور پر ایمان کی اساسات جیسے جیسے محکم ہوں گی اور سیرت وکردار کی تعمیر شروع ہوگی' اخلاق بدلیں گے' معاملات درست ہوں گے' گھر کے ماحول میں صبغۃ اللہ غالب ہوگا اور جیسے جیسے خلقِ خدا کو دعوتِ عبادتِ ربّ دی جائے گی ویسے ویسے یہ تبدیلی اور دعوت معاشرے پر اثر انداز ہوتی چلی جائے گی اور اس طرح ان شاء اللہ اصلاحِ معاشرہ کا یہ عمل اسلام کو اس ملک میں مستحکم بنیادوں پر قائم کرنے میں مدد ومعاون ہوگا۔

اہل ایمان کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل

آغازِ خطاب میں سورۂ آل عمران کی تین آیات (۱۰۲ تا ۱۰۴) کی تلاوت کی گئی تھی۔ ان آیات میں دعوتِ عبادتِ ربّ ایک دوسرے اسلوب سے دی گئی ہے اور مسلمانوں کو ان کے فرائض کی بجا آوری کے ضمن میں ایک سہ نکاتی لائحہ عمل دیا گیا ہے۔

i) تقویٰ کی تاکید : پہلی آیت میں ایک مسلمان کے انفرادی فرائض کو emphasize کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی دعوت دی گئی' فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ﴾

''اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اس کا تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے''۔

ہمارے دین کی اصطلاحات میں ’’تقویٰ‘‘ انتہائی جامع اصطلاح ہے۔ اجمالاً یہ سمجھ لیجیے کہ تقویٰ عبادتِ ربّ کے اس طرزِ عمل کی تشریح ہے کہ ایک بندۂ مؤمن اللہ کی ناراضگی اوراس کی سزا کے خوف اوراس کے انعام‘ نگاہِ کرم اورنظرِ ترحّم کے شوق سے نافرمانی و معصیت کے ہر عمل سے بچتا ہوا دین کے تقاضوں اور مطالبوں کو ادا کرنے کی فکر کرے۔

آیت کا اگلا حصہ اسی تقویٰ کی زندگی کی شرح ہے:

﴿وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ﴿۱۰۲﴾﴾

’’اورتم کو موت نہ آئے مگراس حال میں کہ تم اللہ کے فرمانبردار ہو‘‘۔

یعنی زندگی کا کوئی لمحہ بھی شعوری طور پر اللہ کے کسی حکم کی خلاف ورزی میں نہ گزرے‘ مبادا اسی حال میں تم کو موت آ دبوچے کہ تم معصیت کا ارتکاب کررہے ہو۔ لٰہذا دعوتِ بندگیٔ ربّ کا پہلا نکتہ ہوگا اسی تقویٰ کی دعوت‘ تطہیر افکار و اعمال کی دعوت‘ اخلاق و معاملات کی درستگی کی دعوت‘ تمام معاصی سے اجتناب کی دعوت اور مسلمان کی حیثیت سے جینے اورمرنے کی دعوت۔

ii) اعتصام بحبل اللہ: اگلی آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ افرادِ اُمت کو باہم جوڑنے اورانہیں ایک اُمت بنانے والی شے اوران کے مابین ذہنی وفکری ہم آہنگی پیدا کرنے والی شے کون سی ہے! فرمایا:

﴿وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا ۪﴾

’’اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامو اور تفرقے میں نہ پڑو‘‘۔

اللہ کی رسّی سے مراد ’’قرآن مجید‘‘ ہے۔ (۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں قرآن مجید کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نقل ہوئے ہیں: ((ھُوَ حَبۡلُ اللّٰہِ الۡمَتِیۡنُ)) ’’یہی اللہ کی مضبوط رسّی ہے‘‘۔ چنانچہ یہ کتابِ الٰہی وحدتِ اُمت کی اوّلین اور مضبوط ترین بنیاد ہے۔ یہی اَلۡعُرۡوَۃُ الۡوُثۡقٰی ہے اوراسی کا وصف

(۱) اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب موصوف کی معرکۃ الآراء تالیف ’’مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق‘‘ کا مطالعہ ان شاء اللہ مفید مطلب ہوگا۔ (مرتب)

لَاانْفِصَامَ لَهَا ہے۔ اسی کو مضبوطی سے تھامنے اور تفرقے سے بچنے کا آیت کے اس حصے میں حکم دیا گیا ہے۔

اُمت کے اتحاد اور وحدت کو پارہ پارہ کرنے والا عمل تفرقہ ہے۔ اختلاف اور تفرقے میں بڑا فرق ہے۔ اختلاف دین کے دائرے میں رہے تو کوئی مضائقہ نہیں' لیکن رائے' قیاس اور تعبیر کے اختلافات کی بنیاد پر علیحدہ علیحدہ باقاعدہ فرقے بنا لینا دینی نقطۂ نظر سے بالکل غلط اور تباہ کن ہے۔ غور کیجیے کہ ان اختلافات کی نوعیت ہے کیا؟ کوئی رفع یدین کرنے کا قائل ہے کوئی نہیں کرتا' کوئی آمین زور سے کہتا ہے کوئی آہستہ' کوئی امام کے پیچھے سورۃ الفاتحہ پڑھنے کا قائل ہے کوئی نہیں۔ یہ فروعی اختلافات ہیں اور ان سے کوئی بڑا فرق واقع نہیں ہوتا۔ ان تمام مسالک کے حق میں احادیث بھی موجود ہیں اور آثارِ صحابہؓ بھی۔ لیکن اب ان مسائل کی تائید یا تردید پر تمام توجہات مرکوز کرنا آخر کون سی دین کی خدمت ہے؟ جبکہ حال یہ ہے کہ ہماری نوے فیصد آبادی دین سے دُور جا چکی ہے اور سرے سے نماز کی ادائیگی ہی سے غافل ہے۔ یہ تفرقہ بازی اُمت کے لیے کتنی ہلاکت خیز ثابت ہو رہی ہے اس کا اندازہ ہر حساس شخص خود کر سکتا ہے۔ اس تفرقہ بازی کا علاج بھی اللہ تعالیٰ نے ''اعتصام بالقرآن'' قرار دیا ہے کہ ''اللہ کی رسّی (یعنی قرآن حکیم) کو مضبوطی سے تھامو اور تفرقہ میں مت پڑو!''

اس آیت کے اگلے حصے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اس نعمت اور احسان کا ذکر فرمایا ہے کہ قرآن مجید اور ایمان و اسلام نے اُن قبیلوں کو باہمی شیر و شکر اور بھائی بھائی بنا دیا جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے' اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاکت اور تباہی سے بچا لیا۔ فرمایا:

﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ﴾

''اور (اے مسلمانو!) یاد کرو اپنے اوپر اللہ کا یہ احسان جب تم آپس میں دشمن تھے' پھر اُس نے تمہارے دلوں میں باہم محبت پیدا کر دی' پس اللہ کے انعام و

\Meesaaq_2006_PDF\meesaq november06\ma19-09 qurb-e-elahi kw dr mratib-1.inp 8/20/2014 12:32 PM PAGE 13 (1,1)

اکرام سے تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ اور تم تو آگ کے گڑھے کے کنارے تک جا پہنچے تھے' پس اللہ نے تمہیں اس سے بچا لیا''۔

قرآن حکیم کا ایک عظیم ترین اعجاز یہ بھی ہے کہ اس کے وقتی احکام اور تبصروں میں ابد الآباد تک کے لیے ہدایات موجود ہوتی ہیں۔

غور کیا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظِ مبارکہ ہمارے ہی لیے نازل کیے گئے ہیں اور ان میں ہمارے لیے پوری رہنمائی موجود ہے۔ ہم فی الواقع تفرقے اور انتشار کے تباہ کن اور ہلاکت خیز گڑھے کے کنارے کھڑے ہیں اور تباہی و بربادی کے اس گڑھے میں گرا ہی چاہتے ہیں۔ ہم اس سے بچائے جا سکتے ہیں اور ہم پر اللہ کی اس نعمت کا فیضان ہو سکتا ہے کہ ہمارے دلوں میں ایک دوسرے سے الفت' مودّت اور اخوت پیدا ہو جائے۔ لیکن اس کی شرائط ہم کو پوری کرنی ہوں گی اور وہ یہ کہ ہم واقعی بندۂ ربّ بنیں۔ تقویٰ' اسلام اور اعتصام بالقرآن کو اپنا لائحہ عمل اور مقصود و مطلوب بنا لیں اور آخرت میں اللہ کی رضا کا حصول ہمارا نصب العین بن جائے۔ ہم تفرقے سے بچیں اور متقی مسلمانوں کی طرح انفرادی و اجتماعی زندگی بسر کرنے کی اخلاص کے ساتھ پوری کوشش کریں۔ اس آیت مبارکہ کے آخر میں فرمایا:

﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾

''اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی نشانیاں واضح کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاسکو۔''

ان نشانیوں سے تمہیں ہدایت کا سیدھا راستہ نظر آ جائے اور تم اس پر گامزن ہو جاؤ۔

ان دونوں آیتوں کے بین السطور میں یہ ہدایت موجود ہے کہ اصلاحِ حال کے لیے اس ملک میں وسیع پیمانے پر عبادتِ ربّ' تجدید ایمان' تقویٰ و اسلام' توبہ و انابت اور اصلاحِ افکار و اعمال کی ایک زوردار دعوت اٹھے' جس کے داعی خود بھی حقیقی طور پر بندۂ ربّ بننے کی سعی و کوشش کریں' اپنے غلط و غیر اسلامی ماحول سے کشمکش کریں اور لوگوں کو بھی دعوت دیں کہ اللہ کے بندو! ہوش میں آؤ' کہاں جا رہے ہو؟ تم مدہوش ہو' خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے ہو۔ تمہیں اپنے ذاتی مفادات کی فکر ہے' فروعی اور جزوی

مسائل میں الجھ کر تم ایک دوسرے سے دست بگریباں ہو' جبکہ حال یہ ہے کہ وہ پورا جہاز ہچکولے کھا رہا ہے جس میں ہم سب سوار ہیں۔ تم کو اس جہاز کی سلامتی کی فکر کرنی چاہیے۔ یہ ہیں ان لوگوں کے کرنے کے کام جن کو اپنے ان دینی فرائض کی ادائیگی کا احساس ہو جائے۔

iii) **لزوم جماعت کی تاکید اور اس کے لیے سہ نکاتی پروگرام**: اگلی آیت میں ایسی داعی جماعت کے لزوم کی تاکید فرما کر اس جماعت کے لیے سہ نکاتی پروگرام پیش فرما دیا گیا ہے:

﴿وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ‌ؕ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ۝۱۰۴﴾

''اور تم میں ایک جماعت تو ایسی ضرور ہونی چاہیے جو لوگوں کو خیر اور نیکی کی طرف بلانے والی ہو' جو بھلائی کا حکم دے اور برائی سے روکے' اور یہی لوگ (جو جماعتی طور پر دعوت کا یہ کام کریں گے) فلاح پائیں گے۔''

غور کیجیے' اس آیت مبارکہ میں حکم دیا گیا ہے کہ مسلمانوں میں ایک ایسی جماعت کا وجود ضروری ہے جس کا مقصدِ وجود صرف دعوت الی الخیر' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہو۔ اس دنیا میں اس جماعت کو نہ تو کسی بدلے اور اجر کی خواہش ہو اور نہ ہی دنیا کا کوئی مفاد اور کوئی غرض اس دعوتی کام سے وابستہ ہو۔ اس جماعت کے وابستگان صرف یہی تین کام کریں جو اس آیت مبارکہ میں بیان کیے گئے ہیں۔ ان کے سوا کسی چوتھے کام کے خیال کو وہ اپنے ذہن میں گزرنے بھی نہ دیں۔ وہ علیٰ رؤس الاشہاد اعلان کر دیں کہ ہمارا انتخابی سیاست سے کوئی تعلق و سروکار نہیں ہوگا۔ جو لوگ یک سو ہو کر ہمہ تن دعوت الی الخیر' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سہ نکاتی پروگرام میں مصروف ہو جائیں گے ان ہی کے لیے یہ بشارت اور نوید جانفزا ہے کہ یہی لوگ فلاح پانے والے ہوں گے۔

توبہ کی منادی

آج ہمارا معاشرہ اس امر کا شدید محتاج ہے کہ اسے جھنجوڑا جائے' اس میں

\Meesaaq_2006_PDF\meesaq november06\ma19-09 qurb-e-elahi kw dr mratib-1.inp 8/20/2014 12:32 PM PAGE 14 (1,1)

آخرت کا خوف پیدا کیا جائے‘ اس کو پکارا جائے کہ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا﴾ (التحریم:٦) ’’اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو (جہنم کی) آگ سے‘‘۔ اس میں توبہ کی ایک عمومی منادی کی جائے کہ اللہ کے بندو! باز آؤ معصیت اور نافرمانیوں سے‘ باز آؤ حرام خوریوں سے‘ باز آؤ ہیرا پھیریوں سے‘ باز آؤ رشوت دینے اور رشوت خوری سے‘ باز آؤ ملاوٹ سے اور ذخیرہ اندوزی سے‘ باز آؤ سودی کاروبار سے‘ کم تولنے اور کم ناپنے سے! اپنی تمام بداعمالیوں اور بے عملیوں سے توبہ کر کے اپنے ایمان کی تجدید کرو۔ اپنے ربّ کے ساتھ از سرِنو عہد کرو کہ اے اللہ! ہم تیرے مخلص بندے بن کر خود بھی دین کے مطابق زندگی بسر کرنے کی کوشش کریں گے اور تیرے دین کے داعی بن کر معاشرے کو بھی عبادتِ ربّ اور توبہ وانابت الی اللہ کی دعوت دیں گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ......﴾ (التحریم:٨)

’’اے ایمان والو! اللہ کے حضور توبہ کرو‘ خالص توبہ۔ بعید نہیں کہ (اس توبہ کی بدولت) اللہ تم سے تمہاری برائیاں دُور فرما دے......‘‘

توبہ کا یہ عمل اگر عوام وخواص میں ایک ہمہ گیر اور اجتماعی سطح پر نہیں ہوتا تو جان لیجیے کہ اس دنیا میں بھی عذابِ الٰہی سے سابقہ پیش آ کر رہے گا اور آخرت میں بھی۔ اجتماعی توبہ سے عذابِ خداوندی ٹل جاتا ہے۔ قرآن کریم میں مذکور ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم پر عذابِ الٰہی کے آثار شروع ہو گئے تھے‘ لیکن یہ عذاب ان کی اجتماعی توبہ سے ٹل گیا تھا۔

آج داخلی اور خارجی طور پر ہم جن حالات سے دوچار ہیں یہ دراصل تنبیہہ خداوندی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہم اس سے غافل ہیں۔ اگر یہ تغافل اسی طرح جاری رہا تو ہم پر عذابِ الٰہی کا کوڑا برس سکتا ہے۔ اس وقت ہم مخلصانہ اجتماعی توبہ کے محتاج ہیں‘ اور یہی عمل ہم کو اللہ کی پکڑ سے بچا سکتا ہے۔ بقول جگر مراد آبادی: ؎

چمن کے مالی اگر بنا لیں موافق اپنا شعار اب بھی
چمن میں آ سکتی ہے پلٹ کر چمن سے روٹھی بہار اب بھی!

اس بات کو بھی اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ جب کسی اُمت میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے تو اس بگڑے ہوئے معاشرے میں تین طرح کے طبقات پیدا ہو جایا کرتے ہیں۔ ایک طبقہ وہ ہوتا ہے جو بگاڑ میں بہت آگے نکل جاتا ہے۔ دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہوتا ہے جو بگاڑ سے خود تو بچے ہوتے ہیں لیکن دوسروں کو روکتے نہیں' ان کو نصیحت کرنے میں تغافل شعاری اختیار کرتے ہیں۔ جبکہ تیسرا طبقہ وہ ہوتا ہے جو خود بھی بگاڑ سے مجتنب رہتا ہے اور لوگوں کو روکنے کے لیے مواعظ و نصائح کرتا ہے اور اصلاحِ احوال کی سعی و کوشش میں لگا رہتا ہے۔ اللہ کی سنت یہ ہے کہ یہ تیسرا طبقہ عذابِ الٰہی سے بچا لیا جاتا ہے' اور اگر دنیا میں وہ کہیں اس کی لپیٹ میں بھی آ جائے تو آخرت میں وہ فوز و فلاح سے سرفراز کیا جاتا ہے اور آخرت میں کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔

جدا ہو دیں سیاست سے تو......

میں نے عرض کیا تھا کہ وہ جماعت یا تنظیم جو دعوت الی الخیر کے لیے وجود میں آئے اسے انتخابی سیاست سے بالکلیہ علیحدہ رہنا چاہیے۔ اس کی حکمت بھی سمجھ لیجیے۔ انتخابی سیاست کا میدان حصولِ اقتدار اور سیادت و قیادت کی جنگ کا میدان ہے۔ یہ تحزّب' تعصّب اور حریفانہ طرزِ عمل کی راہ ہے۔ یہ ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کا راستہ ہے۔ اس راہ میں دلوں میں کدورتیں اور تلخیاں بڑھتی ہیں' مخالفتیں اور دشمنیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس راہ میں ''ووٹروں'' کی خوشنودی مطلوب ہوتی ہے' اس لیے ان کے غلط اور غیر اسلامی افکار و اعمال اور معاملات پر مداہنت اختیار کرنی پڑتی ہے۔ اس میدان میں ہر پارٹی دوسری پارٹیوں اور اُن کے قائدین کو طعن و تشنیع اور استہزاء و تمسخر کا ہدف بناتی ہے جس کے باعث آپس میں نفرتیں بڑھتی ہیں۔ جبکہ دعوت الی الخیر اصلاح اور نصح و خیر خواہی کی راہ ہے' دلوں کو جیتنے اور باہمی الفت و مودّت اور اخوت پیدا کرنے کی راہ ہے۔

\Meesaaq_2006_PDF\meesaq november06\ms19-09 qurb-e-elahi kw dr mratib-1.inp 8/20/2014 12:32 PM PAGE 15 (1,1)

یہ غلط فہمی پیدا نہ ہو کہ دین میں سیاست کوئی شجرِ ممنوعہ ہے یا ہمارے دین کے دائرے سے باہر کی کوئی چیز ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے دین میں سیاست بھی ہے' حکومت کے معاملات بھی ہیں۔ ہمارا دین انسانی زندگی کے تمام گوشوں کا احاطہ کرتا ہے' چاہے وہ انفرادی زندگی سے متعلق ہوں یا اجتماعی زندگی سے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً﴾ (البقرۃ:۲۰۸)

''اے اہلِ ایمان! اسلام (نظامِ فرمانبرداری) میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔''

''سیاست'' کا لفظ بڑے قابلِ احترام انداز میں حدیث شریف میں آیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((کَانَتْ بَنُوْ اِسْرَاءِیْلَ تَسُوْسُھُمُ الْاَنْبِیَاءُ)) (۱)

''بنی اسرائیل کا معاملہ یہ تھا کہ اُن کی سیاست انبیاء کے ہاتھ میں رہتی تھی''۔

علامہ اقبال نے دین اور سیاست کا تعلق اس طرح بیان کیا ہے: ع

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی!

چنانچہ دعوت الی الخیر میں سیاسی نظام کی تبدیلی بھی شامل ہے۔ یہ اظہار دین الحق علی الدین کلہٖ کی اعلیٰ و ارفع منزل ہے۔ یہ دنیا میں عبادتِ ربّ کا مظہرِ اتم ہے۔ لیکن انتخابی سیاست' جس کی بنیاد حریفانہ انداز سے حصولِ اقتدار ہوتی ہے' ہمیں اس طور کی سیاست میں کسی حال میں شریک نہیں ہونا۔ ہماری منزل اسلام کی نشأۃِ ثانیہ اور غلبۂ دین حق ہے' اور میرے نزدیک یہ خواب اُمت مسلمہ میں تجدید ایمان' توبہ اور تجدید عہد کی عمومی تحریک کے بغیر شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اسلامی انقلاب کا پہلا اور مقدم مرحلہ تطہیر افکار اور تعمیر سیرت و کردار ہے جس کی اصل اساس ایمان ہے اور اس ایمان و یقین کا منبع و سرچشمہ قرآن حکیم ہے۔

انجمن خدام القرآن اور تنظیم اسلامی کا قیام

۱۹۶۷ء میں جب میں شعوری طور پر اس نتیجہ پر پہنچا کہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے

(۱) صحیح مسلم' کتاب الامارۃ' باب وجوب الوفاء ببیعۃ الخلفاء الاوّل فالاوّل۔

ایک جماعت ناگزیر ہے تو یہ بھی عزم کرلیا تھا کہ اس مقصد کے لیے جماعت بنانے کی کوشش کروں گا۔ اُس وقت میں نے دعوت رجوع الی القرآن کا کام تنہا شروع کیا تھا۔ اللہ کے فضل سے ۱۹۷۲ء میں وہ پہلا مرحلہ آ گیا کہ دعوت رجوع الی القرآن کے لیے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا قیام عمل میں آیا۔ اس موقع پر میں نے ''میثاق'' میں لکھا تھا کہ یہ وہ جماعت نہیں ہے جو میری اصل منزل ہے۔ یہ عبوری دَور اور ابتدائی مرحلے کا معاملہ ہے۔

اس کے بعد ۱۹۷۵ء میں میری دعوت پر تنظیم اسلامی قائم ہوئی۔ اس تنظیم کی تشکیل میں ہم نے دستوری' قانونی اور جمہوری اصولوں کو پیش نظر نہیں رکھا' جو ہمارے نزدیک مغرب سے درآمد ہوئے ہیں' بلکہ ان کو بالکل چھوڑ کر ہم نے اس ہیئتِ اجتماعیہ کے لیے نظامِ بیعت کے اصول اور طریقے کو اختیار کیا' جو قرآن مجید اور سنتِ رسول کی اصطلاح ہے۔ ہمارے اسلاف کا طریقہ یہی رہا ہے اور ہماری ماضی کی تمام دینی تحریکوں میں بھی یہی نظام اختیار کیا جاتا رہا ہے۔ تزکیۂ نفس اور اصلاحِ اعمال کے لیے بھی بیعت ہوتی ہے' جو ''بیعتِ ارشاد'' کہلاتی ہے اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے جو بھی تحریکیں اٹھی ہیں وہ بھی بیعت کے نظام پر اٹھی ہیں۔ برعظیم پاک و ہند میں اصل طریق محمدی اور سلوک محمدی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کا جب سید احمد بریلویؒ نے احیاء کیا تھا تو وہ بیعت ہی کی بنیاد پر کیا تھا۔ ہم کسی جزو میں بھی مغرب کی تقلید نہیں کرنا چاہتے۔ ہم اُسی طریقہ کو ترجیح دیتے ہیں اور اُسی کو افضل اور باعثِ خیر سمجھتے ہیں جو قرآن وسنت سے ماخوذ ہو اور جس پر ہمارے سلف صالحین گامزن رہے ہوں۔ اسی لیے ہم نے باہر سے درآمد شدہ جمہوری و دستوری طریقۂ تنظیم اختیار نہیں کیا' بلکہ طریقۂ بیعت اختیار کیا ہے اور اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ کی قرآنی ہدایت کو اپنا رہنما اصول بنایا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ بھی فرمانِ نبویؐ عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ کی تعمیل ہے اور سنت سے ماخوذ طریق تنظیم کو اختیار کرنے ہی میں ہماری فوز و فلاح ہے۔

میں نے اپنی استعداد و استطاعت کی حد تک آپ کو آپ کی دینی و ملی ذمہ

\Meesaaq_2006_PDF\meesaq november06\ms19-09 qurb-e-elahi kw dr mratib-1.inp 8/20/2014 12:32 PM PAGE 16 (1,1)

داریوں سے آگاہ کرنے کی امکانی کوشش کی ہے۔ اب یہ کام آپ کا ہے کہ آپ سوچیں' غور کریں' مطالعہ کریں۔ کوئی اشکال ہو' کوئی الجھن ہو' کوئی وضاحت مطلوب ہو تو ہم حاضر ہیں۔ کوئی بات غلط معلوم ہوئی ہو تو اس کی غلطی ہم پر واضح کریں۔ ان سب کے لیے ہمارا سینہ کشادہ ہے۔ لیکن اگر معاملہ یہ ہو کہ بات سمجھ میں آ گئی ہے کہ حق یہی ہے' قرآن مجید کے حوالے سے بھی صحیح بات یہی ہے' سنتِ رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے بھی صحیح بات یہی ہے' سلوک وطریقت کے حوالے سے بھی صحیح بات یہی ہے' تقرب بالفرائض کے حوالے سے بھی صحیح بات یہی ہے' از روئے عقل ومنطق بھی صحیح بات یہی ہے' تو پھر اس سے دُور رہنا' اس سے کنارہ کش رہنا' اس سے دامن بچا بچا کر نکلنا میرے نزدیک بہت بڑا جرم ہے۔ میں آپ کی نصح وخیر خواہی کے پیشِ نظر آپ کو خبردار (warn) کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ سب کچھ معلوم ہونے کے بعد آپ کی ذمہ داری بہت بڑھ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحیح رخ پر سوچنے اور غور وفکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جس فیصلے تک آپ پہنچیں اس پر عزم بالجزم کے ساتھ پیش رفت کے لیے آپ کی نصرت فرمائے! اللہ تعالیٰ اسے آپ کے حق میں بھی مبارک کرے اور میرے حق میں بھی بابرکت بنائے۔ آمین!

اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

رحمان کے بندوں کی ایک اہم خصوصیت:

تواضع و انکسار

عتیق الرحمٰن صدیقی

سورۃ الفرقان کے آخری رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اور پسندیدہ بندوں کی تیرہ صفات بیان فرمائی ہیں۔ شعوری طور پر بندگی اختیار کرنے والوں کو اس نے ''عباد الرحمٰن'' (رحمان کے بندے) کہا ہے۔ یوں تو تکوینی طور پر سب ہی اللہ کے بندے ہیں' مگر تشریعی اور اختیاری بندگی جبری بندگی سے مختلف ہے۔ جو کوئی پورے شعور اور دل کے بھرپور ارادے کے ساتھ اپنے ربّ کی اطاعت کا راستہ اختیار کرتا ہے اس کی شان نرالی ہوتی ہے' ایسے ہی بندوں کو ''رحمان کا بندہ'' کہا گیا ہے۔ یقیناً یہ ان کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ اسمائے حسنیٰ میں سے لفظ ''رحمان'' کا انتخاب اس امر کا غماز ہے کہ مقبولینِ بارگاہِ ربّ العزت کی عادات و صفات اللہ کی صفتِ رحمانیت کا مظہر ہوتی ہیں۔ قرآن حکیم نے حضور نبی کریم ﷺ کو متعدد مقامات پر لفظ ''عبدہٗ'' کے شرف سے مشرف فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ عبد اور عبدہٗ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ علامہ اقبال مقامِ عبدیتِ رسول کے متعلق منصور حلاج کی زبانی فرماتے ہیں:

عبدہٗ از فہم تو بالاتر است
زانکہ او ہم آدم و ہم جوہر ست
عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر
ما سراپا انتظار او منتظر!
کس ز سرِّ عبدہٗ آگاہ نیست
عبدہٗ جز سرِّ اِلّا اللہ نیست!

''اے انسان! عبدہٗ کا مطلب تیرے فہم سے بالا ہے' کیونکہ وہ آدم کے پیکر میں بھی ہے اور

E:\Meesaaq_2006\Meesaaq_2006_PDF\meesaq november06\mall-09 rehman ke bandaa.inp 8/20/2014 12:21 PM PAGE 1 (1,1)

جوہر بھی ہے۔ عبد اور چیز ہے اور عبدہٗ ایک دوسری چیز ہے۔ ہم سراپا منتظر ہوتے ہیں مگر اس کا
1 انتظار کیا جاتا ہے۔ کوئی شخص بھی عبدہٗ کے بھید سے واقف نہیں ہوسکتا' کیونکہ وہ الا اللہ کے بھید
کے علاوہ کچھ بھی نہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے ان حقیقی بندوں کی اوّلین صفت تواضع اور فروتنی بیان فرمائی ہے۔ ہماری اس تحریر میں اسی اہم خصوصیت کی توضیح مقصود ہے۔ ارشاد ہوا:

﴿وَعِبَادُ الرَّحۡمٰنِ الَّذِیۡنَ یَمۡشُوۡنَ عَلَی الۡاَرۡضِ ھَوۡنًا......﴾ (الفرقان:٦٣)

مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

''اور خدائے رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی سے چلتے ہیں''۔ (تدبر قرآن)

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس آیت کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے:

''رحمان کے (اصلی) بندے وہ ہیں جو زمین پر نرم چال چلتے ہیں''۔ (تفہیم القرآن)

تفسیر ابن کثیر میں یوں ترجمہ کیا گیا ہے:

''اور رحمان کے سچے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی سے چلتے ہیں''۔

بعض حضرات نے ان الفاظ میں ترجمہ کیا ہے:

''اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر آہستہ آہستہ''۔

گویا اللہ کے مؤمن بندے زمین پر سکون' وقار' تواضع' عاجزی' مسکینی اور فروتنی سے چلتے پھرتے ہیں۔ تکبر' تجبر' فساد اور ظلم و ستم نہیں کرتے۔ جیسے حضرت لقمان نے اپنے لڑکے سے فرمایا تھا کہ: ﴿وَلَا تَمۡشِ فِی الۡاَرۡضِ مَرَحًا ؕ﴾ (لقمان:١٨) ''اور زمین پر اکڑ کر نہ چلا کر!'' مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تصنع اور بناوٹ سے کمر جھکا کر بیماروں کی طرح قدم قدم چلا جائے' اس لیے کہ یہ تو ریاکاروں کا کام ہے۔ آنحضرت ﷺ کی عادتِ مبارکہ اس کے بالکل برعکس تھی۔ آپؐ کی چال ایسی تھی گویا آپؐ کسی اونچائی سے اتر رہے ہیں اور گویا زمین آپؐ کے لیے لپٹی جا رہی ہے۔ (ترمذی' کتاب المناقب)

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ وہ بہت آہستہ آہستہ چل رہا ہے۔ آپؓ نے اس سے دریافت فرمایا کہ ''کیا تو کچھ بیمار ہے؟'' اس نے کہا نہیں۔ آپؓ نے فرمایا: ''پھر یہ کیا چال ہے؟ خبردار جو اَب اس طرح چلا تو کوڑے کھائے گا۔ طاقت کے ساتھ جلدی جلدی چلا

کر!'' پس یہاں مراد تسکین و وقار کے ساتھ شریفانہ چال چلنا ہے نہ کہ ضعیفانہ اور مریضانہ۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ''جب نماز کے لیے آؤ تو دوڑ کر نہ آؤ' بلکہ تسکین کے ساتھ آؤ' جو نماز جماعت کے ساتھ مل جائے ادا کرلو اور جو فوت ہو جائے وہ پوری کرلو''۔ (بخاری' کتاب الاذان بحوالہ ابن کثیر)

امام حسن بصریؒ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

''مؤمنوں کی آنکھیں اور ان کے کان اور ان کے اعضاء جھکے ہوئے اور رُکے ہوئے رہتے ہیں یہاں تک کہ گنوار اور بے وقوف لوگ انہیں بیمار سمجھ لیتے ہیں' حالانکہ وہ بیمار نہیں ہوتے' بلکہ خوفِ الٰہی سے جھکے جاتے ہیں۔ ویسے پورے تندرست ہیں لیکن دل اللہ کے خوف سے پُر ہیں''۔ (ابن کثیر' جلد چہارم' ص ۲۵)

حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ ایک شخص کو سر جھکائے ہوئے چلتے دیکھا تو پکار فرمایا: ''سر اٹھا کر چل' اسلام مریض نہیں ہے''۔ اسی طرح ایک صاحب کو مریل چال چلتے دیکھا تو فرمایا: ''ظالم! ہمارے دین کو کیوں مارے ڈالتا ہے!'' حضرت عائشہؓ نے ایک موقع پر ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بہت ہی مضمحل بنے ہوئے چل رہے ہیں۔ آپؓ نے اُن کے بارے میں دریافت فرمایا کہ انہیں کیا ہو گیا ہے؟ عرض کیا گیا کہ یہ قراء میں سے ہے۔ اس پر عائشہؓ نے فرمایا: ''عمر سید القراء تھے' مگر اُن کا حال یہ تھا کہ جب چلتے تو زور سے چلتے' جب بولتے تو قوت سے بولتے اور جب پیٹتے تو خوب پیٹتے تھے''۔ حضرت عمرؓ سمجھتے تھے کہ تندرست ہونے کے باوجود بیماروں کی طرح پھونک پھونک کر قدم رکھنا اور خواہ مخواہ مسکین بن کر چلنا درست طرزِ عمل نہیں' اس سے اسلام کی غلط نمائندگی ہوتی ہے اور اس سے احتراز لازم ہے۔ سورۂ لقمان میں حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو نصیحت ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے:

﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝۱۸ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ﴾

(آیات ۱۸ و ۱۹)

''اور لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کر اور نہ زمین میں اکڑ کر چل! اللہ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے شخص کو پسند نہیں کرتا۔ اور اپنی چال میں اعتدال اختیار کر اور اپنی آواز کو پست رکھ!''

E:\Meesaaq_2009\Meesaaq_2008_PDF\meesaq november06\mall-09 rehman ke bandaa.inp 8/20/2014 12:21 PM PAGE 2 (1,1)

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ آیت کے اس ٹکڑے کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

''آہستہ چلنا یا تیز چلنا اپنے اندر کوئی اخلاقی حسن وقبح نہیں رکھتا اور نہ اس کے لیے کوئی ضابطہ مقرر کیا جا سکتا ہے...... دراصل جو چیز یہاں مقصود ہے وہ تو نفس کی اس کیفیت کی اصلاح ہے جس کے اثر سے چال میں تبختر اور مسکینی کا ظہور ہوتا ہے۔ بڑائی کا گھمنڈ اندر موجود ہو تو وہ لازماً ایک خاص طرز کی چال میں ڈھل کر ظاہر ہوتا ہے...... دولت' اقتدار' حسن' علم' طاقت اور ایسی ہی دوسری چیزیں انسان کے اندر تکبر پیدا کرتی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا گھمنڈ اس کی چال کا ایک مخصوص ٹائپ پیدا کر دیتا ہے۔ اس کے برعکس چال میں مسکینی کا ظہور بھی کسی نہ کسی مذموم نفسی کیفیت کے اثر سے ہوتا ہے۔ کبھی انسان کے نفس کا مخفی تکبر ایک نمائشی تواضع اور دکھاوے کی درویشی وخدارسیدگی کا روپ دھارتا ہے اور یہ چیز اس کی چال میں نمایاں نظر آتی ہے...... لقمان کی نصیحت کا منشا یہ ہے کہ نفس کی ان کیفیات کو دور کرو اور ایک سیدھے سادے معقول اور شریف آدمی کی سی چال چلو جس میں نہ کوئی اینٹھ اور اکڑ ہو' نہ مریل پن اور نہ ریاکارانہ زہد وانکسار''۔ (تفہیم القرآن' سورۂ لقمان' حاشیہ ۳۳)

جباروں اور متکبروں کی روش سے بچنے کی تاکید انفرادی طرزِ عمل اور قومی رویے دونوں پر یکساں حاوی ہے۔ مدینہ طیبہ میں قائم ہونے والی اسلامی حکومت اسی منشور پر قائم ہوئی اور اس کے فرماں رواؤں اور سپہ سالاروں میں فخر وغرور کا کوئی شائبہ بھی نہ تھا۔ ان میں فقر ودرویشی اور انکسار وتواضع کی شان پائی جاتی تھی۔ اکڑنا' اینٹھنا اور تکبر سے کام لینا انہیں ہرگز گوارا نہ تھا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نیک بندوں کی خصوصیات میں سب سے پہلے آدمی کی چال کا ذکر کیا گیا ہے۔ آخر اس کی اتنی زیادہ اہمیت کیوں ہے! صاحب تفہیم القرآن نے اس سوال کا نہایت خوبصورت جواب دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''آدمی کی چال محض اس کے اندازِ رفتار ہی کا نام نہیں ہے' بلکہ درحقیقت وہ اس کے ذہن اور اس کی سیرت وکردار کی اوّلین ترجمان بھی ہوتی ہے۔ ایک عیار آدمی کی چال' ایک غنڈے بدمعاش کی چال' ایک ظالم وجابر کی چال' ایک خود پسند متکبر کی چال' ایک باوقار مہذب آدمی کی چال' ایک غریب مسکین کی چال' اور اسی طرح مختلف اقسام کے دوسرے انسانوں کی چالیں ایک دوسرے سے اس قدر مختلف ہوتی ہیں کہ ہر ایک کو دیکھ کر بآسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کس چال کے پیچھے کس طرح کی شخصیت جلوہ گر ہے۔ پس آیت کا مدعا یہ ہے کہ رحمان

کے بندوں کو تو عام آدمیوں کے درمیان چلتے پھرتے دیکھ کر ہی بغیر کسی سابقہ تعارف کے الگ پہچان لو گے کہ یہ کس طرز کے لوگ ہیں۔ اس بندگی نے ان کی ذہنیت اور ان کی سیرت کو جیسا کچھ بنا دیا ہے اس کا اثر ان کی چال میں نمایاں ہے' ایک آدمی انہیں دیکھ کر پہلی نظر میں جان سکتا ہے کہ یہ شریف اور حلیم اور ہمدرد لوگ ہیں' ان سے کسی شر کی توقع نہیں کی جا سکتی''۔ (تفہیم القرآن' سورۃ الفرقان' حاشیہ ۷۹)

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''ان کے دل استکبار سے پاک ہیں۔ استکبار کی حقیقت حق کے آگے اکڑنا ہے۔ اگر ایک شخص ہر حق کے آگے' خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا' سر تسلیم خم کر دے تو وہ عباد الرحمٰن میں شامل ہے' اگرچہ وہ حق کی حمیت و حمایت میں سینہ تان کر اور سر اونچا کر کے چلے۔ اور اگر وہ حق کے آگے سرکشی کرے تو وہ اولیاءِ شیطان میں سے ہے' اگرچہ وہ اپنی چال میں مصنوعی طور پر کتنی ہی مسکینی پیدا کر لے...... استکبار ابلیس کی سنت ہے اور یہ وہ بس کی گانٹھ ہے جس کے ہوتے ہوئے آدمی کے اندر کسی نیکی کا نشو و نما پانا ناممکن ہے''۔ (تدبر قرآن' جلد پنجم' ص ۴۸۶) OO

معاشرت

لباس اور حجاب

محترمہ رضیہ مدنی

اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا یُّوَارِیۡ سَوۡاٰتِکُمۡ وَرِیۡشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقۡوٰی ۙ ذٰلِکَ خَیۡرٌ ؕ ﴾ (الاعراف: ۲۶)

''اے آدم (علیہ السلام) کی اولاد! ہم نے تمہارے اوپر لباس اُتارا جو تمہاری شرم گاہوں کو بھی چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے۔ اور تقویٰ کا لباس' یہ اس سے بڑھ کر ہے۔''

لباس انسانی شخصیت کا ایک اہم حصہ ہے۔ خالق حقیقی نے اس سلسلے میں ہماری ضرورتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے لباس کے بارے میں بہت سی اہم ہدایات دی ہیں۔ مرد و خواتین کے لیے کچھ حدود مقرر کر دیں کہ لباس پہننے کے وقت ان حدود سے تجاوز نہیں کرنا' بلکہ ان کے اندر رہ کر ہی اپنی ضروریات کی تکمیل کرنی ہے۔

مَردوں کے لیے لباس کی حدود

مردوں کے لیے لباس کی حدود درج ذیل ہیں:

(ا) مَردوں کے لیے ریشم اور سونا حرام ہے

فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

((حُرِّمَ لِبَاسُ الْحَرِیْرِ وَالذَّھَبِ عَلٰی ذُکُوْرِ اُمَّتِیْ وَاُحِلَّ لِاِنَاثِھِمْ)) (۱)

''میری اُمت کے مَردوں پر ریشم اور سونا پہننا حرام کر دیا گیا ہے' اور یہ دونوں چیزیں ان کی

\Meesaaq_2006\Meesaaq_2006_PDF\meesaq november06\hk27-09 libas aor hijab.inp 8/20/2014 12:13 PM PAGE 1 (1,1)

عورتوں کے لیے حلال ہیں۔''

نیز فرمایا:

((لَا تَلْبَسُوا الْحَرِیْرَ فَاِنَّـهٗ مَنْ لَبِسَهٗ فِی الدُّنْیَا لَمْ یَلْبَسْهُ فِی الْآخِرَةِ))(۲)

''ریشم نہ پہنو' کیونکہ جو اس کو دُنیا میں پہنے گا تو وہ آخرت میں اسے نہیں پہن سکے گا۔''

البتہ لباس کے کناروں پر چار اُنگلیوں کے برابر ریشم کی اِجازت ہے۔ مزید واضح رہے کہ یہ ہدایت اور تنبیہہ خالص ریشم کے بارے میں ہے' Synthetic Fiber اگر ریشم کے ساتھ ملا کر پہنا جائے تو اس کی اجازت ہے۔

سونے کی انگوٹھی یا گھڑی یا سونے کی کوئی اور چیز مَردوں کے لیے حرام ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک صحابی کی انگلی میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو اسے اتار کر پرے پھینک دیا اور فرمایا:

((یَعْمِدُ اَحَدُکُمْ اِلٰی جَمْرَةٍ مِنْ نَارٍ فَیَجْعَلُهَا فِیْ یَدِهٖ)) (۳)

''تم میں سے ایک شخص آگ کے انگارے کا ارادہ کرتا ہے اور اسے اپنے ہاتھ میں پہن لیتا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کے جانے کے بعد صحابہؓ نے اس صحابی سے کہا کہ اسے اٹھا لو اور کسی اور کام میں لے آؤ' تو وہ کہنے لگے: ''اللہ کی قسم! میں اسے کبھی بھی نہیں لوں گا جسے اللہ کے رسول ﷺ نے پھینک دیا ہے''۔

ہاں چاندی کی انگوٹھی جائز ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اسے خود پہنا ہے۔ آپ ﷺ اسے مُہر کے طور پر استعمال کرتے تھے۔

(ب) مَردوں کا لباس عورتوں جیسا نہیں ہونا چاہیے

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ الرَّجُلَ یَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْأَةِ وَالْمَرْأَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ (٤)

''رسول اللہ ﷺ نے ایسے آدمی پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں جیسا لباس پہنے اور اس عورت پر بھی جو مَردوں کا سا لباس پہنے۔''

اسی طرح سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

لَعَنَ النَّبِیُّ ﷺ الْمُخَنَّثِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَآءِ، وَقَالَ:
((أَخْرِجُوهُمْ مِنْ بُیُوْتِکُمْ))(٥)

''نبی کریم ﷺ نے زنانہ حلیہ اختیار کرنے والے مَردوں اور مَردانہ طریقہ کار اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت کی اور فرمایا کہ ''ایسے لوگوں کو (اگر وہ تمہارے گھر آئیں) اپنے گھروں سے نکال دو۔''

(ج) مسلمانوں کا لباس غیر اَقوام سے مشابہ نہیں ہونا چاہیے

اِرشادِ نبوی ﷺ ہے:

((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) (٦)

''جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہی میں سے ہوتا ہے۔''

کسی قوم سے مشابہت اُس سے مرعوبیت کی بنا پر ہوتی ہے اور یہ مرعوبیت صرف ظاہر تک ہی نہیں رہتی، باطن (خیالات، عقائد اور اَعمال) پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ عیسائیوں کا لباس (پینٹ کوٹ) اور صلیب کا نشان (ٹائی) استعمال کرنے والوں کے لیے غور کا مقام ہے۔

(د) لباس میں تکبر اور اسراف نہ ہو

اِرشادِ نبوی ﷺ ہے:

((کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَتَصَدَّقُوْا وَالْبَسُوْا غَیْرَ مَخِیْلَةٍ وَلَا سَرَفٍ)) (٧)

''کھاؤ، پیو، صدقہ کرو اور پہنو بغیر تکبر اور اسراف کے۔''

اسراف ہر چیز میں منع ہے، کیونکہ

﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْآ اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ کَفُوْرًا ﴿٢٧﴾﴾

(بنی اسراءیل)

''یقیناً بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے ربّ کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔''

غرور و تکبر کے لیے اپنے لباس کو لمبا نہ کریں، کیونکہ اس سے واضح طور پر منع کیا گیا ہے۔ کوئی شخص اپنے آپ کو غلط تسلی نہ دے کہ میں پتلون اور شلوار کے پائنچے تکبر کی وجہ سے ٹخنوں سے نیچے نہیں

:\Meesaaq_2006\Meesaaq_2006_PDF\meesaq november06\hk27-09 libas aor hijab.inp 8/20/2014 12:13 PM PAGE 2 (1,1)

رکھتا‘ بلکہ صرف اس لیے رکھتا ہوں کہ فیشن اسی طرح ہے‘ نہ یہ کہے کہ مجھے ٹخنوں سے اُوپر اچھا نہیں لگتا‘ وغیرہ۔ اس لیے کہ فرمانِ نبویﷺ ہے:

((مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فَفِي النَّارِ)) (۸)

’’اِزار یا پاجامہ وغیرہ کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ آگ میں ہے۔‘‘

اسی طرح حدیث پاک میں تین آدمیوں کا ذکر کیا گیا ہے جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام نہ کریں گے اور نہ ہی انہیں گناہ سے پاک کریں گے۔ ان میں ایک وہ آدمی ہے جس کا ازار ٹخنوں سے نیچے ہو۔ ہمارے بھائی غور کریں!

عورتوں کے لیے لباس کی حدود

(ا) باریک اور تنگ نہ ہو

عورت کا لباس اتنا تنگ نہ ہو کہ ستر پوشی کے مقاصد پورے کرنے کی بجائے جسم کے خدوخال کو زیادہ واضح کرے۔ اور اتنا باریک نہ ہو کہ اس سے جسم کا رنگ بھی چھلک رہا ہو۔ آج کل وائل کے کپڑوں پر بھی غور کریں جن میں سے undergarments کی امبرائیڈری تک نظر آ رہی ہوتی ہے۔ رسول اللہﷺ نے اس سلسلے میں بہت سختی فرمائی ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((نِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مَائِلَاتٌ مُمِيلَاتٌ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيْحَهَا وَرِيْحُهَا يُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ خَمْسِ مِائَةِ عَامٍ)) (۹)

’’کپڑے پہننے کے باوجود ننگی‘ مردوں کی طرف مائل ہونے والیاں‘ اُن کو اپنی طرف مائل کرنے والیاں‘ ایسی عورتیں جنت میں داخل نہ ہوں گی اور نہ ہی اس کی خوشبو پائیں گی‘ حالانکہ اس کی خوشبو تو پانچ سو سال کی مسافت سے محسوس کی جا سکتی ہے۔‘‘

خواتین کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ گھروں کے اندر بھی (سوائے خاوند کے سامنے) اپنے دوپٹے اس طرح اوڑھ کر رکھیں کہ گردن اور سینے ڈھک جائیں۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ص﴾ (النور: ۳۱)

’’اور چاہیے کہ عورتیں اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈال کر رکھیں۔‘‘

علاوہ ازیں عورتوں کے ٹخنے بھی ڈھکے ہوئے ہونے چاہئیں۔

(ب) مَردوں سے مشابہ نہ ہو

مَردوں کے لباس کے ضمن میں ہم حدیثِ مبارکہ سے رہنمائی لے چکے ہیں کہ جو عورتیں مَردوں جیسا لباس پہننے کی کوشش کرتی ہیں' ان پر اللہ نے لعنت کی ہے۔ لہٰذا مسلمان عورتوں کو مَردوں جیسے فیشن اور انداز وغیرہ سے کلی اجتناب کرنا چاہیے۔

(ج) غیر اَقوام سے مشابہت نہ ہو

جس طرح مَردوں کو اپنے لباس میں غیر اَقوام کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے اسی طرح خواتین کو بھی منع کیا گیا ہے۔ غور کریں آج ہمارے تمام فیشن' ڈیزائن' ہیئر سٹائل غرض ہر شے عیسائیوں اور یہود و ہنود کا چربہ ہوتی ہے۔ کہاں جائیں گی ہم عورتیں؟ مسلمان عورتوں کے فیشن اپنے تیار کردہ اور خوب ساتر ہونے چاہئیں۔

(د) اسراف نہ ہو

یہ شرط جیسے مَردوں کے لیے لازمی ہے ویسے ہی عورتوں کے لیے بھی لازم ہے۔ ہمارے ہاں عروسی جوڑوں (wedding dress) وغیرہ پر آج یہاں تک اِسراف کیا جا رہا ہے کہ دو دو لاکھ میں ایک دن کا لباس! یاد رکھیں کہ اِسراف وتبذیر کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے ربّ کا ناشکرا ہے۔

(ہ) دکھاوا نہ ہو

لباس ایک ضرورت ہے' اسے ضرورت سمجھ کر پہنا جائے' اس لیے نہیں کہ آج محفل میں سب سے زیادہ نمایاں مجھے ہی ہونا ہے' سب سے زیادہ شاندار شخصیت میری ہونی چاہیے۔ اس ضمن میں فرمانِ نبوی ﷺ ذہن میں رکھیے:

((مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰہُ بِہٖ' وَمَنْ یُرَآئِیْ یُرَآئِی اللّٰہُ بِہٖ)) (۱۰)

''جس نے سنایا (شہرت کے لیے) اللہ اس کو (ذلت کے ساتھ) سنوائے گا' اور جس نے دکھاوا کیا (شہرت کے لیے) اللہ اس کو (ذلت کے ساتھ) دکھائے گا۔''

خواتین اور حجاب

\Meesaaq_2006\Meesaaq_2006_PDF\meesaq november06\hk27-09 libas aor hijab.inp 8/20/2014 12:13 PM PAGE 3 (1,1)

خواتین کے لباس میں ایک اہم حصہ حجاب ہے۔ حجاب کا لفظ قرآن نے ہی سب سے پہلے استعمال کیا۔ نبی پاک ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم ہوا:

﴿وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ﴾ (الاحزاب: ۵۳)

''جب تم ازواجِ مطہرات سے کچھ (سامان) مانگو تو حجاب کے پیچھے سے مانگو' یہ تمہارے (صحابہؓ) اوران (ازواج مطہراتؓ) کے دلوں کے لیے پاکیزہ تر ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس اُمت کے پاکیزہ ترین مرد ہیں اور اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اس اُمت کی پاکیزہ ترین خواتین ہیں۔ ان کے دلوں کی پاکیزگی کی صورت یہی بنائی گئی کہ دونوں کے درمیان حجاب کا معاملہ ہو۔ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اس اُمت کی خواتین کے لیے رول ماڈل ہیں۔ انہیں حکم ہوا :

﴿اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِىْ فِىْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾﴾ (الاحزاب)

''اگر تم پرہیز گاری اختیار کرو تو نرم لہجے سے بات نہ کرو کہ جس کے دل میں روگ ہو وہ کوئی برا خیال کرے' ہاں قاعدے کے مطابق کلام کرو۔''

اَزواج مطہرات کو یہ تنبیہہ بھی کی گئی:

﴿وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى﴾ (الاحزاب : ۳۳)

''قدیم جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے بناؤ کا اظہار نہ کرو۔''

یہ تبرج میک اپ' لباس' زیور' ناز وانداز اور cat walk وغیرہ کی صورت میں ہوتا ہے۔ زینت اختیار کی جائے لیکن اس کو جاہلیت اولیٰ کی طرح نمایاں نہ کیا جائے۔ تمام مسلمان عورتوں کو حکم دیا گیا:

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ (النور: ۳۱)

''(اے نبی ﷺ) مسلمان عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت میں فرق نہ آنے دیں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو از خود ظاہر ہے۔''

وہ اس زینت کا اظہار اپنے خاوند‘ باپ‘ سسر‘ بیٹے‘ سوتیلے بیٹے‘ بھانجے‘ بھتیجے‘ چچا‘ ماموں یا اپنی عورتوں کے سامنے کر سکتی ہیں۔ قرآن مجید زینت کے اظہار کی اجازت عورتوں میں سے بھی صرف ''اپنی عورتوں'' (نِسَائِھِنَّ) کے سامنے دیتا ہے۔ غیر عورت (غیر مسلم عورت) کے سامنے بھی زینت کا اظہار نہ ہو گا۔ قرآن مجید میں اپنی عورتوں کی تاکید دو مرتبہ آئی ہے۔ فرمایا گیا:

﴿ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ ط﴾ (الاحزاب : ۵۹)

''اے نبیؐ! اپنی بیویوں‘ صاحبزادیوں اور تمام مؤمن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اُوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں۔''

جلباب بڑی چادر کو کہتے ہیں جو تمام جسم کو ڈھانپتی ہے اور اس کا ایک حصہ سر سے چہرے کی طرف چہرہ ڈھانپنے کے لیے لٹکایا جائے۔ سورۃ النور میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِھِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِھِنَّ ط﴾ (آیت ۳۱)

''عورتیں (چلتے وقت) اَپنے پاؤں زمین پر اس انداز میں نہ ماریں کہ ان کی چھپی ہوئی زینت (چوڑیوں کی چھنکار یا پازیب کے گھنگھرو وغیرہ) ظاہر ہو جائے۔''

اسی طرح عورتوں کو خوشبو لگانے سے نبی کریم ﷺ نے سختی سے منع فرمایا:

((لَا تُقْبَلُ صَلَاۃٌ لِامْرَاَۃٍ تَطَیَّبَتْ لِھٰذَا الْمَسْجِدِ حَتّٰی تَرْجِعَ فَتَغْتَسِلَ غُسْلَھَا مِنَ الْجَنَابَۃِ)) (۱۱)

''اللہ تعالیٰ کسی ایسی عورت کی نماز قبول نہیں فرماتے جو خوشبو لگا کر مسجد جائے‘ حتیٰ کہ وہ واپس آ کر غسل جنابت جیسا غسل کرے۔''

سورۃ النور میں ستر و حجاب کے احکامات کے آخر میں فرمایا گیا:

﴿ وَتُوْبُوْآ اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّہَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾﴾ (النور)

''اے مؤمنو! سب مل کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''

مَردوں کو اللہ تعالیٰ نے قوامیت عطا فرمائی ہے اور انہیں گھر کا سربراہ بنایا ہے۔ لہٰذا ان کی ذمہ داری ہے کہ عورتوں کو حجاب کا پابند بنائیں۔ اس کے علاوہ کامیابی کی کوئی اور صورت ممکن نہیں ہے۔

حواشی

\Meesaaq_2006\Meesaaq_2006_PDF\meesaq november06\hk27-09 libas aur hijab.inp 8/20/2014 12:13 PM PAGE 4 (1,1)

(۱) سنن الترمذی‘ کتاب اللباس عن رسول اللہﷺ‘ باب ما جاء فی الحریر والذھب۔

(۲) صحیح مسلم‘ کتاب اللباس والزینۃ‘ باب تحریم استعمال اناء الذھب والفضۃ علی الرجال۔

(۳) صحیح مسلم‘ کتاب اللباس والزینۃ‘ باب تحریم خاتم الذھب علی الرجال ونسخ ما کان من اباحتہ فی اول الاسلام۔

(۴) سنن ابی داوٗد‘ کتاب اللباس‘ باب فی لباس النساء۔

(۵) صحیح البخاری‘ کتاب اللباس‘ باب اخراج المتشبھین بالنساء من البیوت۔

(۶) سنن ابی داوٗد‘ کتاب اللباس‘ باب فی لبس الشھرۃ۔

(۷) مسند احمد۔

(۸) صحیح البخاری‘ کتاب اللباس‘ باب ما اسفل من الکعبین فھو فی النار۔

(۹) موطا مالک‘ کتاب الجامع‘ باب ما یکرہ للنساء لبسہ من الثیاب۔

(۱۰) صحیح البخاری‘ کتاب الرقاق‘ باب الریاء والسمعۃ۔

(۱۱) سنن ابی داوٗد‘ کتاب الترجل‘ باب ما جاء فی المرأۃ تتطیب للخروج۔

مسلمان کا طرزِ حیات (۵۳)

علامہ ابوبکر جابر الجزائری کی شہرۂ آفاق کتاب

''مِنهاجُ المُسلم'' کا اردو ترجمہ

مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

کتاب العبادات

بارہواں باب

حج اور عمرہ

① حج اور عمرہ کا حکم اور حکمت

ا) حکم:

حج ہر اُس مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے جو اِس سفر کی طاقت رکھتا ہے۔ اللہ عزّ وجل کا ارشاد ہے:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ (آل عمران:۹۷)

''لوگوں پر اللہ کے لیے بیت اللہ کا حج کرنا (فرض) ہے جسے بھی اس کی طرف راستہ (طے کر کے پہنچنے) کی طاقت ہو۔''

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ: شَهَادَةِ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلَاةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ)) (۱)

''اسلام پانچ (بنیادوں) پر تعمیر کیا گیا ہے: لا الٰہ الاّ اللہ محمدٌ رسول اللہ کی گواہی دینا، نماز ادا

کرنا، زکوٰۃ دینا، (بیت اللہ کا) حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔" 1

حج زندگی میں ایک بار ادا کرنا فرض ہے۔ ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ حضور! حج ہر سال فرض ہے یا صرف ایک بار؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((بَلْ مَرَّةً وَاحِدَةً ، فَمَنْ زَادَ فَهُوَ تَطَوُّعٌ)) (۲)

"بلکہ حج ایک بار ہے، جس نے زیادہ دفعہ کیا وہ نفل ہے۔"

البتہ ہر پانچ سال میں ایک بار (دوبارہ) حج کرنا مستحب ہے۔ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان روایت کیا گیا ہے:

((اِنَّ عَبْدًا صَحَّحْتُ لَهُ جِسْمَهُ وَوَسَّعْتُ عَلَيْهِ فِي الْمَعِيْشَةِ يَمْضِىْ عَلَيْهِ خَمْسَةُ اَعْوَامٍ لَا يَفِدُّ اِلَيَّ الْمَحْرُوْمُ)) (۳)

"جس بندے کو میں نے جسمانی صحت بخشی، اور اس کی روزی میں وُسعت دی، پھر اُس پر پانچ سال گزر جائیں اور میرے پاس سفر کر کے نہ آئے تو (ایسا بندہ) محروم ہے۔"

عمرہ سنتِ واجبہ ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ﴾ (البقرۃ:۱۹۶)

"اور اللہ کے لیے حج اور عمرہ پورا کرو۔"

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((حُجَّ عَنْ اَبِيْكَ وَاعْتَمِرْ)) (٤)

"اپنے والد کی طرف سے حج کرو اور عمرہ کرو"۔

یہ ارشاد رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا تھا جس نے آپ ؐ سے سوال کیا تھا کہ: "میرا والد بہت بوڑھا ہے، نہ حج اور عمرہ ادا کر سکتا ہے نہ ان کے لیے سفر کر سکتا ہے (تو اس بارے میں میرے لیے کیا حکم ہے)؟"

ب) حکمت:

حج و عمرہ کی بہت سی حکمتوں میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس سے دل گناہوں کے اثرات سے پاک ہو جاتا ہے اور انسان آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عزت افزائی کے قابل ہو جاتا ہے۔ ارشادِ نبوی ؐ ہے:

((مَنْ حَجَّ هٰذَا الْبَيْتَ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ)) [٥]

''جس نے اس گھر (کعبہ) کا حج کیا' اس دوران اس نے نہ فحش گوئی کی نہ فسق کا مرتکب ہوا' وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے اپنی پیدائش کے دن تھا۔''

② حج وعمرہ کے وجوب کی شرطیں

ایک مسلمان پر حج اور عمرہ اُسی وقت واجب ہوتا ہے جب مندرجہ ذیل شرطیں پائی جاتی ہوں:

(۱) اسلام: غیر مسلم سے حج' عمرہ یا کسی بھی عبادت کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا' کیونکہ اعمال کی صحت وقبولیت کے لیے ایمان لازمی شرط ہے۔

(۲) عقل: کیونکہ مجنون کسی شرعی حکم کا مکلّف نہیں ہے۔

(۳) بلوغ: کیونکہ ہر بچے پر بالغ ہونے تک کوئی شرعی ذمہ داری نہیں ہوتی۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ : عَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتّٰى يُفِيْقَ ' وَعَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ ' وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَحْتَلِمَ)) [٦]

''تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے: مجنون سے جب تک وہ ہوش میں نہ آئے' سوئے ہوئے سے جب تک وہ جاگ نہ جائے اور بچے سے جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے۔''

(۴) استطاعت: یعنی سواری اور زادِ راہ کا مہیا ہونا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ (آل عمران: ۹۷) ''جسے اس کی طرف راستہ (طے کر کے پہنچنے) کی طاقت ہو''۔ وہ غریب آدمی جس کے پاس سفرِ حج کے دوران راستہ کے اخراجات کے لیے مال نہیں' اور اگر وہ بال بچے والا ہے تو سفر حج کے علاوہ اس مدت کے لیے ان کا خرچ نہیں تو اس آدمی پر حج یا عمرہ واجب نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر کسی کے پاس سفر کے لیے خرچ موجود ہے اور گھر سے دُور رہنے کی مدت کے لیے بال بچوں کا خرچ بھی موجود ہے لیکن اسے سواری میسر نہیں' اور وہ پیدل چل کر اتنا لمبا سفر طے نہیں کر سکتا' یا سواری تو میسر ہے لیکن راستہ محفوظ نہیں' اور اسے اپنی جان جانے یا مال چھن جانے کا خطرہ ہے تو ان تمام صورتوں میں اس پر حج یا عمرہ فرض نہیں' کیونکہ اسے ''استطاعت'' حاصل

2006\Meezaaq_2006_PDF\meezaq november06\minhaj42.inp 8/20/2014 12:14 PM PAGE 2 (1,1)

نہیں۔

۳ حج و عمرہ کی ترغیب اور اِن کے ترک پر وعید

پیغمبر اسلام حضرت محمدﷺ نے ان دونوں عبادتوں کی ادائیگی کی بہت ترغیب دلائی ہے' اور زبان و بیان کے مختلف طریقوں اور اسالیب سے ان کی طرف بلایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سُئِلَ النَّبِیُّ ﷺ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ؟ قَالَ : ((اِیْمَانٌ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ)) قِیْلَ ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ : ((جِھَادٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ)) قِیْلَ ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ : ((حَجٌّ مَّبْرُوْرٌ)) (۷)

''نبی اکرمﷺ سے دریافت کیا گیا کہ سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپﷺ نے فرمایا: ''اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لانا''۔ دریافت کیا گیا کہ اس کے بعد؟ آپﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی راہ میں جہاد''۔ پوچھا گیا کہ اس کے بعد؟ آپﷺ نے فرمایا: ''حج مبرور''۔

اور ارشاد فرمایا:

((مَنْ حَجَّ ھٰذَا الْبَیْتَ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَیَوْمِ وَلَدَتْہُ اُمُّہُ)) (۸)

''جس نے اس گھر (بیت اللہ) کا حج کیا' (اس دوران) کوئی فحش حرکت نہیں کی اور کوئی فسق والا کام نہیں کیا وہ گناہوں سے ایسے نکل جاتا ہے جس طرح ماں سے پیدا ہونے کے دن (گناہوں سے پاک) تھا۔''

نیز ارشادِ نبویؐ ہے:

((جِھَادُ الْکَبِیْرِ وَالصَّغِیْرِ وَالضَّعِیْفِ وَالْمَرْاَۃِ الْحَجُّ وَالْعُمْرَۃُ)) (۹)

''بوڑھے' کم عمر' کمزور اور عورت کا جہاد حج اور عمرہ ہے۔''

اس کے علاوہ ارشاد فرمایا:

((اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَیْسَ لَہٗ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّۃُ)) (۱۰)

''حج مبرور کا بدلہ تو صرف جنت ہی ہے۔''

اور فرمایا:

((اَلْعُمْرَۃُ اِلَی الْعُمْرَۃِ کَفَّارَۃٌ لِمَا بَیْنَھُمَا وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَیْسَ لَہٗ جَزَاءٌ اِلَّا

الْجَنَّةُ)) (١١)

''ایک عمرے کے بعد دوسرا عمرہ درمیانی مدت کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اور حج مبرور کا بدلہ تو جنت کے سوا کچھ نہیں ہے۔'' (١٢)

جناب رسول اللہ ﷺ نے ان کے ترک پر' اور سستی کے ساتھ حج وعمرہ کو چھوڑ کر بیٹھے رہنے پر انتہائی شدید وعید فرمائی ہے۔ارشاد ہے:

((مَنْ لَمْ تَحْبِسْهُ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ اَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ اَوْ مَنَعٌ مِنْ سُلْطَانٍ جَائِرٍ وَلَمْ يَحُجَّ فَلْيَمُتْ اِنْ شَاءَ يَهُوْدِيًّا اَوْ نَصْرَانِيًّا)) (١٣)

''جس شخص کو حج کرنے سے واضح حاجت (مفلسی)' یا روک رکھنے والی بیماری' یا ظالم سلطان کی طرف سے پابندی کی رکاوٹ نہ تھی' پھر اُس نے حج نہیں کیا تو وہ چاہے یہودی ہو کر مرے چاہے عیسائی۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ اَنْ يَّمُوْتَ يَهُوْدِيًّا اَوْ نَصْرَانِيًّا)) (١٤)

''جس کے پاس زادِراہ بھی تھا اور سواری بھی جس سے وہ بیت اللہ تک پہنچ سکے' پھر اس نے حج نہیں کیا تو پھر کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر؟''

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝٩٧﴾ (آل عمران)

''لوگوں پر اللہ کے لیے بیت اللہ کا حج کرنا (فرض) ہے جسے بھی اس کی طرف راستہ (طے کر کے پہنچنے) کی طاقت ہو۔اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ سب جہانوں سے بے پرواہ ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ اَبْعَثَ رِجَالًا اِلٰى هٰذِهِ الْاَمْصَارِ فَيَنْظُرُوْا كُلَّ مَنْ كَانَتْ لَهُ جِدَةٌ وَلَمْ يَحُجَّ فَيَضْرِبُوْا عَلَيْهِمُ الْجِزْيَةَ ' مَا هُمْ بِمُسْلِمِيْنَ' مَا هُمْ بِمُسْلِمِيْنَ

2006\Meezaaq_2006_PDF\meezaq november06\minhaj42.inp 8/20/2014 12:14 PM PAGE 3 (1,1)

''میرا جی چاہتا تھا کہ میں اِن شہروں میں آدمی بھیجوں' جو دیکھیں کہ کس کس نے باوجود استطاعت ہونے کے حج نہیں کیا اور وہ ان پر جزیہ لگا دیں۔ یہ لوگ (طاقت کے باوجود حج نہ کرنے والے) مسلمان نہیں' یہ لوگ مسلمان نہیں۔''

④ حج اور عمرہ کا پہلا رکن' اِحرام

حج اور عمرہ کے ارکان

حج کے چار رکن ہیں: احرام' طواف' سعی اور وقوفِ عرفات۔ ان میں سے اگر ایک رکن بھی چھوٹ گیا تو حج نہیں ہوگا۔

عمرہ کے تین رکن ہیں: احرام' طواف اور سعی۔ عمرہ اِن کے بغیر ادا نہیں ہوتا۔ اب ان ارکان کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے!

حج اور عمرہ کا پہلا رکن احرام ہے۔ احرام کا مطلب ہے روزمرہ کے کپڑے اتار کر لبیک پکارتے وقت حج یا عمرہ میں داخل ہونے کا ارادہ کرنا۔ احرام کے کچھ واجبات ہیں' کچھ سنن اور کچھ ممنوعات۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

ا) واجبات:

واجبات سے مراد وہ اعمال ہیں جن میں سے اگر ایک بھی چھوٹ جائے تو دَم (جرمانہ کے طور پر قربانی) دینا' یا اگر دَم دینے کی طاقت نہ ہو تو دس روزے رکھنا واجب ہو جاتا ہے۔ احرام کے تین واجبات ہیں۔

(۱) احرام میقات سے باندھنا: میقات سے مراد وہ مقام ہیں جنہیں نبی اکرمﷺ نے احرام باندھنے کے لیے مقرر کیا ہے' یعنی حج یا عمرہ کے ارادہ سے آنے والے کے لیے احرام باندھے بغیر ان سے آگے جانا جائز نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس ﷠ نے فرمایا: ''رسول اللہﷺ نے مدینہ والوں کے لیے ذوالحلیفہ مقرر فرمایا ہے اور شام والوں کے لیے **جُحفہ** اور نجد والوں کے لیے قرن المنازل اور یمن والوں کے لیے یلملم۔ اور فرمایا ہے کہ یہ مقامات ان بستیوں کے رہنے والوں کے

لیے بھی ہیں اور ان کے لیے بھی جو حج یا عمرہ کے ارادہ سے یہاں سے گزریں، جو شخص ان مقامات سے قریب تر (کعبہ کی طرف) رہتا ہے وہ اپنے گھر سے احرام باندھے، اسی طرح مکہ والے مکہ ہی سے احرام باندھیں''۔(۱۶)

(۲) سلے ہوئے کپڑے اتار دینا: احرام کی حالت میں مرد نہ قمیص پہن سکتا ہے نہ بُرنس (۱۷)، نہ پگڑی باندھ سکتا ہے اور نہ کسی اور چیز سے اپنا سر ڈھانک سکتا ہے۔ وہ موزے بھی نہیں پہن سکتا۔ کیونکہ جناب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَا یَلْبَسُ الْمُحْرِمُ الثَّوْبَ وَلَا الْعَمَائِمَ وَلَا السَّرَاوِیْلَ وَلَا الْبَرَانِسَ وَلَا الْخِفَافَ اِلَّا مَنْ لَمْ یَجِدْ نَعْلَیْنِ فَلْیَلْبِسْ خُفَّیْنِ وَلْیَقْطَعْھُمَا مِنْ اَسْفَلِ الْکَعْبَیْنِ)) (۱۸)

''احرام والا قمیص، پگڑی، شلوار، برنس اور موزے نہ پہنے، مگر جسے جوتے میسر نہ ہوں وہ موزے پہن لے اور انہیں ٹخنوں سے نیچے کاٹ لے۔''

محرم ایسا کپڑا بھی نہیں پہن سکتا جسے زعفران لگا ہو یا ورس کی خوشبو لگی ہو۔ عورت نقاب نہیں پہن سکتی اور دستانے بھی نہیں پہن سکتی۔ کیونکہ صحیح بخاری شریف میں اس کی ممانعت آئی ہے۔(۱۹)

(۳) تلبیہ: یعنی یہ الفاظ کہنا : **لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ ، لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ ، لَا شَرِیْکَ لَکَ** ''میں (تیرے حکم کی تعمیل کے لیے) حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ حاضر ہوں! تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں! بے شک تعریف تیری ہی ہے اور نعمت بھی تیری ہی ہے اور بادشاہت بھی۔ تیرا کوئی شریک نہیں''۔

احرام باندھ کر میقات پر ہی، میقات سے گزر جانے سے پہلے ہی لبیک پکارنا چاہیے۔ اسے بار بار کہنا اور بآوازِ بلند کہنا مستحب ہے۔ جب بھی سواری سے اتریں یا سوار ہوں، یا نماز پڑھیں یا نماز سے فارغ ہوں یا ساتھیوں سے ملاقات ہو، اور بھی اس قسم کے کسی بھی موقع پر تلبیہ پڑھنا مستحب ہے۔

ب) احرام کی سنتیں:

یہ ایسے اعمال ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی عمل چھوٹ جائے تو دَم دینا واجب نہیں ہوتا، البتہ انسان بہت سے ثواب سے محروم رہ جاتا ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے:

2006\Meesaaq_2006_PDF\meesaq november06\minhaj42.inp 8/20/2014 12:14 PM PAGE 4 (1,1)

(۱) احرام کے لیے غسل کرنا‘ اگرچہ عورت حیض یا نفاس کے ایام ہی میں کیوں نہ ہو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے ہاں اس وقت ولادت ہوگئی جب وہ حج کا احرام باندھنے والی تھیں‘ تو جناب رسول اللہ ﷺ نے انہیں غسل کرنے کا حکم دیا۔[۲۰]

(۲) احرام کے لیے دو صاف ستھری سفید چادریں استعمال کرنا‘ جن میں سے ایک تہبند کے طور پر باندھی جائے اور دوسری اوڑھ لی جائے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایسے ہی کیا تھا۔

(۳) احرام کسی فرض یا نفل نماز کے بعد باندھنا۔

(۴) ناخن تراش لیے جائیں‘ لبیں کاٹ لی جائیں‘ بغلوں اور زیر ناف کے بال صاف کر لیے جائیں۔ آنحضرت ﷺ نے اسی طرح کیا تھا۔

(۵) تلبیہ بار بار پڑھا جائے اور جب بھی سواری پر چڑھیں یا اُتریں یا نماز پڑھیں تو نئے سرے سے لبیک پکار لیں۔ حدیث میں ہے:

((مَنْ لَبَّی حَتّٰی تَغْرُبَ الشَّمْسُ اَمْسَی مَغْفُوْرًا لَهٗ))[۲۱]

’’جو شخص سورج ڈوبنے تک لبیک پکارتا رہا وہ شام کو بخشا گیا۔‘‘

(۶) تلبیہ (لبیک پڑھنے) کے بعد دعا کرنا اور درود پڑھنا۔ جناب رسول اللہ ﷺ جب تلبیہ سے فارغ ہوتے تو اللہ سے جنت کی دعا کرتے اور جہنم سے پناہ مانگتے۔[۲۲]

ج) ممنوع کام:

ممنوع کاموں سے وہ افعال مراد ہیں کہ مؤمن اگر ان میں سے کسی کا ارتکاب کر بیٹھے تو اس پر فدیہ کے طور پر دَم (قربانی) دینا‘ یا روزے رکھنا‘ یا مسکینوں کو کھانا کھلانا واجب ہو جاتا ہے۔ یہ اعمال مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) سر ڈھانکنے والی کسی بھی چیز سے سر ڈھانکنا (مثلاً پگڑی‘ ٹوپی‘ رومال وغیرہ)

(۲) بال مونڈھنا یا کاٹنا اگرچہ تھوڑے سے کاٹے‘ اور خواہ سر کے بال ہوں یا جسم کے کسی اور حصہ کے۔

(۳) ناخن کاٹنا‘ خواہ ہاتھوں کے ناخن کاٹے یا پاؤں کے۔

(۴) خوشبو لگانا یا چھونا۔

(۵) کوئی بھی سلا ہوا کپڑا پہننا۔

(٦) خشکی کے کسی جانور کا شکار کرنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ط﴾ (المائدۃ:۹۵)

''اے مؤمنو! احرام کی حالت میں شکار (کا جانور) قتل نہ کرو۔''

(٧) بوس و کنار وغیرہ: ارشادِ ربانی ہے: ﴿فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ ط﴾ (البقرۃ:۱۹۷) ''تو حج میں نہ شہوانی باتیں کرنا (جائز) ہے، نہ فسق نہ جھگڑا''۔ آیت مبارکہ میں ''رفث'' سے مراد وہ حرکات ہیں جو عمل زوجیت کے ابتدائی قدم ہیں، اور وہ حرکات جن سے یہ خواہش بیدار ہو۔

(٨) نکاح کرنا یا رشتہ طلب کرنا: ارشادِ نبویؐ ہے: ''محرم (خود) نکاح نہ کرے، نہ کسی کا نکاح کرائے اور نہ منگنی کرے''۔[٢٣]

(٩) جماع: آیت کریمہ ﴿فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ ط﴾ (البقرۃ:۱۹۷) میں لفظ ''رفث'' سے عمل زوجیت بھی مراد ہے اور اس کی طرف پیش قدمی کی حرکات بھی۔

ممنوع کاموں کے ارتکاب پر فدیہ

ان ممنوع کاموں کے بارے میں تفصیلی حکم یہ ہے: اگر کوئی شخص پہلے پانچ کاموں میں سے کسی ایک کا ارتکاب کر بیٹھے تو اس پر فدیہ واجب ہے۔ یعنی تین روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو کھانا دے اور ہر مسکین کو ایک مُدّ گندم دے، یا ایک بکری ذبح کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَّرِیْضًا اَوْ بِہٖٓ اَذًی مِّنْ رَّاْسِہٖ فَفِدْیَۃٌ مِّنْ صِیَامٍ اَوْ صَدَقَۃٍ اَوْ نُسُکٍ ج﴾ (البقرۃ:۱۹٦)

''پس تم میں سے جو کوئی بیمار ہو (اور اس وجہ سے اُسے احرام کے دوران کوئی ممنوع کام کرنا پڑے) یا اُس کے سر میں تکلیف ہو (مثلاً جوئیں پڑ جائیں، جس کی وجہ سے سر منڈانا پڑے) تو (اس کے ذمہ) فدیہ ہے: روزے یا صدقہ یا قربانی''۔

شکار کرنے کی صورت میں جرمانہ ہے کہ جیسا جانور شکار کیا ہے اس کے مثل مویشی ذبح کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ﴾ (المائدۃ:۹۵) ''اس کا بدلہ (یہ ہے کہ) جو جانور قتل کیا ہے اس کے مثل (جانور) مویشیوں میں سے (قربان کرے)''۔[٢٤]

2006\Meezaaq_2006_PDF\meezaq november06\minhaj42.inp 8/20/2014 12:14 PM PAGE 5 (1,1)

بوس و کنار کی صورت میں ایک دَم دینا پڑے گا' یعنی ایک بکری ذبح کرے گا۔ اور اگر کوئی جماع کر لے تو اس سے حج فاسد ہو جاتا ہے۔ لیکن اس گناہ کا ارتکاب کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ حج کے جو اعمال باقی رہ گئے ہیں وہ سب ادا کرے اور جرمانہ کے طور پر ایک اونٹ کی قربانی دے۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو دس روزے رکھے۔ اور اگلے سال اس حج کی قضا کرے۔ امام مالکؒ نے اپنی کتاب ''موطا'' میں روایت کیا ہے کہ حضرت عمر ابن خطاب' حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہم) سے مسئلہ پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص احرام کی حالت میں بیوی سے مباشرت کر بیٹھے تو اس کا کیا حکم ہے؟ ان سب حضرات نے یہی فتویٰ دیا کہ حج کے اعمال بدستور ادا کرتے رہیں حتیٰ کہ مکمل حج کر لیں' پھر اگلے سال دوبارہ حج بھی کریں اور قربانی بھی دیں۔[۲۵]

باقی رہا شادی کرنا' یا کسی سے رشتہ طلب کرنا' اور ان کے علاوہ دوسرے تمام گناہ جو لفظ ''فسوق'' میں آ سکتے ہیں' مثلاً چغلی یا نمیمہ (ایک کی بات دوسرے کو بتا کر آپس میں لڑائی کرا دینا) وغیرہ' تو اگر ان میں سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو توبہ کرے اور اللہ سے معافی مانگے' اپنی غلطی پر شرمندہ ہو۔ کیونکہ شریعت میں ایسے گناہوں کا توبہ و استغفار کے علاوہ کوئی کفارہ بیان نہیں کیا گیا۔

⑤ دوسرا رکن: طوافِ کعبہ

طواف کا مطلب کعبہ کے گرد سات چکر لگانا ہے۔ اس کی کچھ شروط ہیں' کچھ سنتیں ہیں اور کچھ آداب ہیں جن کو ملحوظ رکھنے سے ہی طواف کا حقیقی مقصود حاصل ہو سکتا ہے۔

ا) شروط

طوافِ کعبہ کی شرطیں مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) شروع کرتے ہوئے طواف کی نیت کرنا: کیونکہ تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے' لہٰذا طواف کے لیے بھی نیت ضروری ہے۔ یعنی اللہ کی عبادت اور اس کے حکم کی تعمیل کے ارادہ سے دل میں طواف کا عزم کرنا۔

(۲) نجاست اور حدث سے پاک ہونا: کیونکہ حدیث میں ہے کہ بیت اللہ کا طواف بھی نماز کی طرح ہے' لہٰذا باوضو ہونا ضروری ہے۔

(۳) پردے والے اعضاء کا چھپا ہوا ہونا: کیونکہ طواف نماز کی طرح ہے۔ ارشادِ

نبویؐ ہے:

((اَلطَّوَافُ حَوْلَ الْبَیْتِ مِثْلُ الصَّلَاۃِ اِلَّا اَنَّکُمْ تَتَکَلَّمُوْنَ فِیْہِ ' فَمَنْ تَکَلَّمَ فِیْہِ فَلَا یَتَکَلَّمَنَّ اِلَّا بِخَیْرٍ)) (۲۶)

''بیت اللہ کا طواف نماز کی طرح ہے مگر (یہ فرق ہے کہ) اس میں تم بات چیت کر سکتے ہو۔ تو جو شخص بات کرے وہ لازماً اچھی بات ہی کرے۔''

اس لیے اگر کوئی شخص طواف کی نیت کے بغیر کعبہ کے ارد گرد گھومتا رہے' یا بے وضو طواف کرے' یا طواف کے وقت اس کے جسم یا کپڑوں پر نجاست لگی ہوئی ہو' یا طواف کے وقت اس کے پردے کے اعضاء نظر آ رہے ہوں تو اس کا طواف فاسد ہے۔ اسے اس غلطی کا ازالہ کر کے دوبارہ طواف کرنا ضروری ہے۔

(۴) طواف مسجد حرام کے اندر ہونا چاہیے اگرچہ کعبہ شریف سے دُور ہی ہو۔

(۵) طواف کرتے ہوئے کعبہ شریف بائیں طرف رہے۔

(۶) طواف کے سات چکر پورے کرے۔ حجر اَسود سے طواف شروع کرے اور حجرِ اَسود پر ہی ختم کرے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے یوں ہی کیا تھا۔ (۲۷)

(۷) طواف بلا انقطاع مکمل ہونا چاہیے۔ بلا ضرورت درمیان میں وقفہ نہ کرے۔ اگر بغیر کسی مجبوری کے وقفہ کر لیا تو طواف باطل ہو جائے گا اور نئے سرے سے طواف کرنا ضروری ہوگا۔

ب) طواف کی سنتیں

طواف میں مندرجہ ذیل امور سنت ہیں:

(۱) رمل: یہ اُن مردوں کے لیے سنت ہے جو اسے ادا کر سکتے ہوں' عورتوں کے لیے رمل مسنون نہیں۔ رمل کا مطلب ہے کہ طواف کے دوران قریب قریب قدم رکھتے ہوئے تیزی سے چلنا۔ یہ صرف طوافِ قدوم (۲۸) کے پہلے تین چکروں میں مسنون ہے۔ (۲۹)

(۲) اضطباع: یعنی دائیں کندھے کو ننگا کرنا۔ یہ بھی طوافِ قدوم ہی میں مسنون ہے اور صرف مردوں کے لیے مسنون ہے۔ یہ طواف کے ساتوں چکروں میں کیا جاتا ہے۔ (۳۰)

(۳) طواف شروع کرتے ہوئے اگر ہو سکے تو حجر اَسود کو بوسہ دینا: اگر بوسہ دینا مشکل ہو تو صرف ہاتھ لگایا جائے یا صرف اشارہ کر دیا جائے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح

2006\Meesaaq_2006_PDF\meesaq november06\minhaj42.inp 8/20/2014 12:14 PM PAGE 6 (1,1)

کیا تھا۔

(۴) پہلا چکر شروع کرتے ہوئے یوں کہنا:

بِسۡمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَکۡبَرُ ' اَللّٰهُمَّ اِیۡمَانًا بِکَ' وَتَصۡدِیۡقًا بِکِتَابِکَ' وَوَفَآءً بِعَهۡدِکَ' وَاتِّبَاعًا لِسُنَّةِ نَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ ﷺ (۳۱)

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں اور اللہ سب سے بڑا ہے۔ اے اللہ! (میں طواف کرتا ہوں) تجھ پر ایمان رکھتے ہوئے' تیری کتاب کو سچ مانتے ہوئے' تجھ سے کیے ہوئے وعدے کو پورا کرنے کے لیے اور تیرے نبی محمد ﷺ کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے''۔

(۵) طواف کے دوران دعا کرنا: اس موقع کے لیے کوئی دعا مقرر نہیں۔ ہر شخص اپنے حالات اور اپنی ضروریات کے مطابق حسب توفیق دعا کرسکتا ہے۔ البتہ یہ سنت ہے کہ ہر چکر کے آخر میں یہ قرآنی دُعا پڑھی جائے: ﴿**رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَةً وَّفِی الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ**﴾ ''اے ہمارے مالک! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عنایت فرما اور آگ کے عذاب سے بچالے''۔

(۶) طواف کے دوران جب بھی رکن یمانی کے پاس سے گزرے اسے ہاتھ لگائے اور جب بھی حجرِ اَسود پر پہنچے تو بوسہ دے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح کیا تھا۔(۳۲)

(۷) طواف سے فارغ ہو کر ملتزم پر دعا کرنا: ملتزم وہ جگہ ہے جو کعبہ کے دروازے اور حجرِ اَسود کے درمیان ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی طرح کیا تھا۔(۳۳)

(۸) طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کرنا۔ اس میں سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ ﴿**قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡکٰفِرُوۡنَ**﴾ اور ﴿**قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ**﴾ پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿**وَاتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰهٖمَ مُصَلًّی**ؕ﴾ (البقرۃ:۱۲۵)

''اور مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالو۔''

(۹) طواف کی دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد زمزم کا پانی پینا اور خوب پیٹ بھر کر پینا۔

(۱۰) سعی کے لیے جانے سے پہلے ایک بار پھر حجرِ اَسود کا استلام کرنا۔(۳۴)

نوٹ: مذکورہ بالا تمام افعال کی دلیل حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت ﷺ کا عمل ہے۔(۳۵)

ج) طواف کے آداب

(۱) طواف میں خشوع وخضوع کی کیفیت ہو' دل پوری طرح اللہ کی طرف متوجہ ہو' اللہ تعالیٰ کی عظمت کا پوری طرح احساس کیا جائے' دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف بھی جاگزیں ہو اور اس کے انعامات کی امید بھی ہو۔

(۲) طواف کے دوران بلاضرورت بات چیت نہ کی جائے۔ اگر بات کرے تو اچھی بات کرے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((فَمَنْ تَكَلَّمَ فِيْهِ فَلَا يَتَكَلَّمَنَّ اِلَّا بِخَيْرٍ)) (۳۶)

''جو شخص کلام کرے تو وہ لازماً بھلائی کی بات ہی کرے''۔

(۳) اپنی کسی بات یا کسی عمل سے کسی کو تکلیف نہ دے۔ کیونکہ مسلمان کو اذیت پہنچانا تو ہر جگہ ہی حرام ہے اور اللہ کے گھر میں اور بھی زیادہ ناگوار ہو گا۔

(۴) ذکر الٰہی' دعا اور درود کی کثرت کرے۔

⑥ تیسرا رکن: سعی

سعی کا مطلب ہے عبادت کی نیت سے صفا اور مروہ کے درمیان چل کر جانا اور آنا۔ یہ عمل حج اور عمرہ دونوں کا رکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ ج﴾ (البقرة:۱۵۸)

''یقیناً صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں''۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''سعی کرو' اللہ نے تم پر سعی کرنا فرض قرار دیا ہے''۔ (۳۷)

سعی کی کچھ شرطیں' کچھ سنتیں اور کچھ آداب ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے:

ا) سعی کی شرطیں

(۱) نیت: ارشادِ نبویؐ ہے:

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ)) (۳۸)

''عمل نیتوں سے ہوتے ہیں''۔

2006\Meesaaq_2006_PDF\meesaq november06\minhaj42.inp 8/20/2014 12:14 PM PAGE 7 (1,1)

7 اس لیے سعی کے موقع پر ''اللہ کی اطاعت اور اس کے حکم کی تعمیل کے ذریعہ اللہ کی عبادت'' کی نیت ہونی چاہیے۔

(۲) ترتیب: سعی ہمیشہ طوافِ بیت اللہ کے بعد ادا کی جائے پہلے نہیں۔

(۳) تسلسل سے چکر لگانا: البتہ کسی ضرورت اور مجبوری سے تھوڑا وقفہ ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

(۴) چکروں کی گنتی پوری کی جائے: یعنی پورے سات چکر لگائے جائیں۔ اگر ایک چکر یا چکر کا کوئی حصہ چھوٹ گیا تو سعی نہیں ہوگی۔ کیونکہ سعی تب ہی سعی کہلا سکتی ہے جب اس کے چکر مکمل ہوں۔

(۵) سعی کا طوافِ صحیح کے بعد ہونا: خواہ طواف واجب ہو یا سنت۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ طوافِ واجب مثلاً طواف قدوم یا طوافِ رکن مثلاً طوافِ افاضہ کے بعد ہو۔

ب) سعی کی سنتیں

سعی کی سنتیں مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) میلین اخضرین کے درمیان تیز چلنا: میلین اخضرین سے مراد وہ سبز نشان ہیں جو پرانی وادی کے دونوں سروں پر بنائے گئے ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اسی مقام پر تیز دوڑی تھیں۔ اب تیزی سے یہ فاصلہ طے کرنا ان مردوں کے لیے سنت ہے جو ایسا کر سکتے ہیں، کمزوروں اور عورتوں کے لیے نہیں۔(۳۹)

(۲) صفا اور مروہ پر دعا کے لیے رکنا۔

(۳) ساتوں چکروں میں سے ہر چکر میں صفا اور مروہ پر دعا کرنا۔

(۴) ہر چکر میں صفا پر بھی اور مروہ پر بھی تین بار اللہ اکبر کہنا اور اس کے بعد یہ کہنا:

لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَـهٗ ' لَـهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ' لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ' صَدَقَ وَعْدَهٗ' وَنَصَرَ عَبْدَهٗ' وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ (٤٠)

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہی اسی کی ہے اور تعریف بھی اُسی کی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اُس نے اپنا وعدہ

پورا کر دیا' اپنے بندے کی مدد کی' اور اکیلے نے (دشمنوں کی) تمام جماعتوں کو شکست دے دی۔''

(۵) طواف اور سعی کے درمیان بغیر کسی شرعی عذر کے وقفہ نہ کرنا۔

ج) سعی کے آداب

سعی کے آداب مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) سعی کرنے کے لیے باب صفا سے یہ آیت پڑھتے ہوئے نکلنا:

﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾﴾ (البقرة)

''بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ لہٰذا جو کوئی بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے اسے ان کے چکر لگانے میں کوئی حرج نہیں' اور جو کوئی خوشی سے نیکی کرے تو اللہ قدر دان علم والا ہے۔''

(۲) سعی کرنے والے کا باوضو ہونا۔

(۳) پیدل سعی کرنا بشرطیکہ مشقت کے بغیر کرسکتا ہو۔

(۴) بکثرت ذکر الٰہی کرے اور بکثرت دعائیں مانگے' کسی اور کام میں مشغول نہ ہو۔[۴۱]

(۵) جس چیز کو دیکھنا شرعاً منع ہے اسے دیکھنے سے پرہیز کرے' زبان سے گناہ کی کوئی بات نہ نکالے۔

(۶) سعی کرنے والے اور گزرنے والے دیگر افراد کو زبانی یا عملی طور پر کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائے۔

(۷) اللہ کے سامنے اپنی ذلت اور فقر کا احساس کرے' اور یہ بات پیش نظر رکھے کہ دل کی ہدایت' نفس کی صفائی اور اس کی حالت کی اصلاح کے لیے وہ اللہ کے حضور کتنا محتاج اور ضرورت مند ہے۔

حواشی

(۱) صحيح البخارى' كتاب الايمان' باب قول النبى ﷺ بُنى الاسلام على خمس وهو قول وفعل ويزيدوينقص ۔وصحيح مسلم' كتاب الايمان' باب بيان اركان الاسلام ودعائمه العظام۔

(۲) سنن ابى داوٗد' كتاب المناسك' باب فرض الحج۔ومستدرك حاكم' كتاب المناسك' باب الحج فى كل سنة أو مرة واحدة۔

(۳) صحيح ابن حبان' الاحسان فى ترتيب صحيح ابن حبان' كتاب الحج' باب فضل الحج

2006\Meesaaq_2006_PDF\meesaq november06\minhaj42.inp 8/20/2014 12:14 PM PAGE 8 (1,1)

والعمرة' ح ٣٦٩٥۔ وسنن البیھقی۔

(٤) اس حدیث کو ترمذی' ابوداوٗدؒ نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے ''صحیح'' کہا ہے۔ دیکھئے جامع الترمذی' کتاب الحج' ح٩٣٠' باب ٧٧۔ وسنن ابی داوٗد' کتاب المناسك' باب الرجل یحج عن غیره۔

(٥) صحیح البخاری' کتاب الحج' باب قول اللّٰہ عزوجل: ﴿وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ﴾۔ وصحیح مسلم' کتاب الحج' باب فی فضل الحج والعمرة ویوم عرفة۔

(٦) مستدرك حاکم' کتاب الحدود' باب ذکر من رُفع عنھم القلم۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

(٧) صحیح البخاری' کتاب الحج' باب فضل الحج المبرور (نحوه)۔وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان کون الایمان باللّٰہ تعالیٰ افضل الاعمال۔

(٨) صحیح البخاری' کتاب الحج' باب قول اللّٰہ عزوجل: ﴿وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ﴾۔وصحیح مسلم' کتاب الحج' باب فی فضل الحج والعمرة ویوم عرفة۔

(٩) سنن النسائی' کتاب مناسك الحج' باب فضل الحج۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

(١٠) صحیح البخاری' کتاب الحج' باب وجوب العمرة وفضلھا۔وصحیح مسلم' کتاب الحج' باب فی فضل الحج والعمرة ویوم عرفة۔

(١١) صحیح البخاری' کتاب الحج' باب وجوب العمرة وفضلھا۔وصحیح مسلم' کتاب الحج' باب فی فضل الحج والعمرة ویوم عرفة۔

(١٢) حج مبرور سے مراد وہ حج ہے جس کے دوران گناہوں سے پرہیز کیا جائے اور نیکیاں خوب کی جائیں۔

(١٣) مسند ابویعلیٰ۔ وسنن البیھقی ۔ یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔

(١٤) سنن الترمذی' کتاب الحج عن رسول اللّٰہﷺ' باب ما جاء فی التغلیظ فی ترك الحج۔ ترمذی نے اسے غریب کہا ہے۔ یہی حدیث سنن دارمی میں بھی ہے۔ کتاب المناسك' باب من مات ولم یحج۔ اس کی سند میں وہ ضعیف راوی نہیں ہیں جو ترمذی کی سند میں ہیں۔ یہ حدیث جامع ترمذی میں مرفوع روایت ہوئی ہے' لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حضرت علیؓ کا قول ہے۔

(١٥) سنن البیھقی۔وسنن ابی سعید۔

(١٦) صحیح البخاری' کتاب المناسك' باب مھل اھل الشام۔وصحیح مسلم' کتاب الحج' باب مواقیت الحج والعمرة۔

(١٧) بُرنس اس لباس کو کہتے ہیں جس کے ساتھ سر چھپانے کے لیے ٹوپی بھی جڑی ہوتی ہے۔

(١٨) صحیح البخاری' کتاب المناسك' باب ما لا یلبس المحرم من الثیاب۔ وصحیح مسلم' کتاب

الحج ' باب ما يباح للمحرم بحج او عمرة وما لا يباح۔

(۱۹) صحیح البخاری۔

(۲۰) صحیح مسلم' کتاب الحج' باب احرام النفساء و استحباب اغتسالها للاحرام و کذا الحائض۔

(۲۱) امام ابنِ تیمیہ نے اپنی مناسک کی کتاب میں یہ حدیث ذکر کی ہے لیکن اس کا حوالہ نہیں دیا۔

(۲۲) دارقطنی' کتاب الحج' باب المواقیت' حدیث ۱۱۔ اس کی سند میں ایک راوی صالح بن محمد ہے جو ضعیف ہے۔

(۲۳) صحیح مسلم' کتاب النکاح' باب تحریم نکاح المحرم و کراهة خطبته۔

(۲٤) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مختلف مواقع پر اس مسئلہ میں جو فیصلے دیے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں: شترمرغ کے بدلے میں اونٹ' نیل گائے' لگڑ بگڑ' پہاڑی بکرے کے بدلے میں گائے' ہرن کے بدلے میں بکری' خرگوش کے بدلے میں میمنا' کبوتروں کے بدلے میں بکری۔ اگر شکار شدہ جانور کی طرح کا مویشی نہ پایا جاتا ہو تو اس (شکار شدہ جانور) کی قیمت کا اندازہ کر کے اتنی رقم صدقہ کر دی جائے' اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اس قیمت کا جتنا غلہ آ سکتا ہے اس کے ہر مُدّ کے بدلے ایک روزہ رکھ لیا جائے۔ (محشی)

(۲۵) موطا مالك' کتاب الحج' باب هدی المحرم اذا اصاب اهله۔

(۲٦) جامع الترمذی' کتاب الحج عن رسول الله ﷺ' باب ما جاء فی الکلام فی الطواف۔

(۲۷) مسند احمد' عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ۔

(۲۸) مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد سب سے پہلے جو طواف کیا جاتا ہے اسے طوافِ قدوم کہتے ہیں۔

(۲۹) صحیح مسلم' کتاب الحج' باب استحباب الرمل فی طواف العمرة وفی الطواف الاول من الحج۔

(۳۰) سنن ابی داؤد' کتاب المناسك' باب الاضطباع فی الطواف۔

(۳۱) البدر المنیر لابن الملقن ۱۹٦/٦' عن جابر بن عبدالله رضی اللہ عنہ۔

(۳۲) صحیح البخاری' کتاب الحج' باب تقبیل الحجر۔ وصحیح مسلم' کتاب الحج' باب استحباب استلام الرکنین الیمانیین فی الطواف۔

(۳۳) سنن ابی داؤد' کتاب المناسك' باب الملتزم میں نبی اکرم ﷺ کا یہی عمل بیان کیا گیا ہے۔

(۳٤) یعنی بوسہ دینا یا ہاتھ لگانا۔ اور اگر بھیڑ زیادہ ہو تو صرف اشارہ کر دینا۔

(۳۵) دیکھئے صحیح مسلم' کتاب الحج' باب حجة النبی ﷺ۔

(۳٦) جامع الترمذی' کتاب الحج عن رسول الله ﷺ' باب ما جاء فی الکلام فی الطواف۔

(۳۷) سنن ابن ماجه۔ ومسند احمد' ج٦' ص ٤۲۲۔ فتح الباری میں اسے حسن کہا گیا ہے۔

2006\Meesaaq_2006_PDF\meesaq november06\minhaj42.inp 8/20/2014 12:14 PM PAGE 9 (1,1)

(۳۸) صحیح البخاری' کتاب بدء الوحی' باب بدء الوحی۔

(۳۹) امام شافعی نے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ ؓ نے عورتوں کو (صفا اور مروہ کے درمیان) دوڑتے دیکھا تو فرمایا: ''کیا تمہارے لیے ہم (ازواج النبیؐ) میں اُسوہ نہیں؟ تمہارے ذمے دوڑنا نہیں ہے''۔

(٤٠) صحیح مسلم' کتاب الحج' باب حجۃ النبی ﷺ۔

(٤١) کیونکہ جامع ترمذی میں آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان مروی ہے: ''جمرات کو کنکر مارنا اور صفا مروہ کے درمیان دوڑنا اللہ کی یاد قائم کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے''۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

اسلام میں تجدّد پسندی کے اثرات

حافظ طاہر اسلام عسکری

(گزشتہ سے پیوستہ)

(۷) مسلم خاتون کا غیر مسلم سے شادی کرنا

اسلام کے قانونِ نکاح کی رو سے ایک مسلم مرد کے لیے اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کرنا جائز ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ......﴾ (المائدہ:۵)

''اور پاک دامن عورتیں اُن میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی (تمہارے لیے حلال ہیں)۔''

ظاہر ہے کہ یہ اجازت صرف مسلم مردوں کے ساتھ خاص ہے۔علاوہ ازیں مسلمان مردوں اور عورتوں کو مشرکین سے نکاح کرنے سے روک دیا گیا ہے۔

﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ؕ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ﴾ (البقرہ:۲۲۱)

''تم مشرک عورتوں سے ہرگز نکاح نہ کرنا، جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ ایک مؤمن لونڈی آزاد مشرک عورت سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں بہت پسند ہو۔ اور اپنی عورتوں کے نکاح آزاد مشرک مردوں سے نہ کرو، جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ ایک مؤمن غلام آزاد مشرک مرد سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں بہت پسند ہو۔''

مندرجہ بالا دو آیات سے معلوم ہوا کہ:

(۱) مسلمان مرد مسلمان عورت کے علاوہ اہل کتاب کی عورت سے بھی شادی کر سکتا ہے۔ (۲) اس کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کی خاتون سے شادی کرنا اس کے لیے جائز نہیں۔ (۳) مسلمان

meesaq_2006_PDF\meesaq november06\ms18-08 ghamdi ka nia islam-1.inp 8/20/2014 12:22 PM PAGE 1 (1,1)

خواتین اہل کتاب کے مردوں سے شادی نہیں کرسکتیں۔ ورنہ صرف اہل کتاب خواتین کے حلال ہونے کا ذکر بے معنی ہوگا۔ (۴) مسلمان مرد و زن کے لیے مشرکین سے نکاح کرنا ممنوع ہے۔

اب اس کے برعکس غامدی مکتب فکر کا نقطہ نظر ملاحظہ فرمایئے:

کسی خاتون نے سوال پوچھا کہ میں ایک مسلمان لڑکی ہوں اور ایک ہندو لڑکے سے شادی کرنا چاہتی ہوں' کیا مجھے اس کی اجازت ہے؟ اس کے جواب میں قرآن مجید کی متذکرہ بالا دو آیات ذکر کرنے کے بعد کہا گیا:

> ''ایک مسلمان لڑکی کے ایک غیر مسلم لڑکے سے شادی کرنے کا براہ راست ذکر سوائے مشرک مردوں کے قرآن مجید میں مثبت یا منفی' کسی پہلو سے موجود نہیں ہے۔ یعنی اسلامی شریعت میں یہ واضح طور پر بیان نہیں کیا گیا کہ ان کی شادی ہوسکتی ہے یا نہیں۔ لہٰذا اس معاملے میں مسلمان علماء کی آراء مختلف ہوسکتی ہیں۔ ہماری رائے میں غیر مسلم کے ساتھ شادی کو ممنوع یا حرام قرار نہیں دیا جاسکتا' البتہ قرآن مجید کی واضح ممانعت نہ ہونے کی بنا پر ایسی شادی غیر پسندیدہ قرار دی جاسکتی ہے۔ اس معاملے میں بہرحال آخری فیصلہ آپ ہی کو کرنا ہے کہ شادی کی جائے یا نہ۔''(۱۳)

ملاحظہ فرمایئے کہ کس کمال فن سے علمی مغالطہ دیا گیا ہے کہ قرآن میں واضح طور پر مسلمان خاتون کی غیر مسلم سے شادی کی ممانعت کا ثبوت نہیں ملتا۔ اولاً تو سوال یہ ہے کہ ''واضح'' سے کیا مراد ہے؟ اگر وضاحت الفاظ کے علاوہ بھی ہوسکتی ہے تو وہ قرآن میں موجود ہے اور وہ اس طرح کہ جب اہل کتاب کی خواتین سے صرف مسلمان مرد کو شادی کی اجازت دی گئی ہے تو مسلمان خواتین کے لیے اس اجازت کا نہ ہونا آپ سے آپ معلوم ہوگیا۔ بصورتِ دیگر اس خصوصیت کا کوئی جواز ہی باقی نہیں رہتا جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا۔ ثانیاً حرمت کا واضح ذکر نہ ہونے سے جواز کیسے ثابت ہوگیا' اس کی کوئی دلیل ذکر نہیں کی گئی اور اہل علم کے ہاں مسلّمہ قاعدہ ہے کہ **'الاصل فی البضعة التحریم'** یعنی مناکحات میں اصل حرمت ہے۔ یعنی کسی سے تعلق زوجیت قائم کرنے کے لیے شریعت کی صریح اجازت کی ضرورت ہے' بصورت دیگر یہ جائز نہ ہوگا۔

ثالثاً یہ کہنا کہ اس مسئلے میں مسلمان علماء کی آرا مختلف ہوسکتی ہیں' محض ایک فلسفیانہ احتمال ہے جو کسی بھی معاملے میں اٹھایا جاسکتا ہے۔ اس کے برعکس امر واقعہ میں اس مسئلے میں چودہ صدیوں سے آج تک مسلمان علماء کے ہاں کوئی اختلاف سامنے نہیں آیا کہ مسلمان عورت کی غیر

مسلم سے شادی نہیں ہوسکتی۔ موسوعۃ الاجماع میں 'نکاح غیر المسلم للمسلمۃ' کے عنوان کے تحت لکھا ہے: ''الاجماع علی تحریم نکاح الکافر للمرأۃ المسلمۃ''(۱۴) ''کافر کی مسلمان خاتون سے شادی کے حرام ہونے پر اجماع ہے''۔

معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں بھی غامدی مکتب فکر (شاید شوق انفرادیت میں) پوری امت سے الگ راہ پر کھڑا ہے۔ نیز موسوعۃ الاجماع کے مذکور حوالے سے یہ بھی پتا چلا کہ اہل علم کے ہاں غیر مسلم اور کافر کے الفاظ مترادف کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔

(۸) داڑھی رکھنا دین کی رو سے ضروری نہیں

اہل 'المورد' کے امت مسلمہ کے مسلمات سے انحراف کی فہرست میں یہ مسئلہ بھی شامل ہے کہ ان کے نزدیک داڑھی رکھنا دین کی رو سے ضروری نہیں۔ ان سے جب یہ سوال کیا گیا کہ:

> ''میں نے کچھ عرصہ پہلے داڑھی رکھی مگر میری امی اور سب گھر والوں کو پسند نہ آئی کیونکہ بال ٹھیک طرح سے نہ آئے تھے۔ اب امی بار بار مجھے داڑھی کٹوانے کا کہتی ہیں' کیا میں اسے کٹوا سکتا ہوں؟ جواب سے ضرور مطلع فرمائیں۔''

تو اس کا جواب یہ دیا گیا:

> ''عام طور پر اہل علم داڑھی رکھنا دینی لحاظ سے ضروری قرار دیتے ہیں' تاہم ہمارے نزدیک داڑھی رکھنے کا حکم دین میں کہیں بیان نہیں ہوا' لہٰذا دین کی رو سے داڑھی رکھنا ضروری نہیں ہے۔''(۱۵)

یہاں کہا گیا ہے کہ داڑھی کا حکم دین میں کہیں نہیں۔ سوال یہ ہے کہ دین ہے کیا؟

مناسب ہے کہ اس کا جواب جناب جاوید احمد غامدی کے الفاظ ہی میں دیا جائے۔ غامدی صاحب اپنی کتاب 'میزان' میں قرآن اور سنت کی تعریف کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> ''دین لاریب انہی دو اصولوں میں ہے۔ ان کے علاوہ کوئی چیز دین ہے' نہ اسے دین قرار دیا جا سکتا ہے۔''(۱۶)

اسی صفحہ پر اس فقرہ سے پہلے سنت سے ثابت شدہ امور کے ذکر کے بعد یہ سطور بھی موجود ہیں:

> ''سنت یہی ہے کہ اس کے بارے میں یہ بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اس میں اور قرآن مجید میں کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ جس طرح صحابہ کے اجماع اور قولی تواتر سے ملا ہے' یہ اسی طرح ان کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی ہے اور قرآن ہی کی طرح ہر دور میں امت کے

eesaaq_2006_PDF\meesaq november06\ms18-08 ghamdi ka nia islam-1.inp 8/20/2014 12:22 PM PAGE 2 (1,1)

اجماع سے سے ثابت قرار پائی ہے‘ لہٰذا اس کے بارے میں اب کسی بحث ونزاع کے بعد کوئی گنجائش نہیں ہے۔‘‘(۱۷)

سنت کے ذریعے جو دین ہمیں ملا ہے‘ اس کے حوالے سے غامدی صاحب نے ستائیس امور کا ذکر کیا ہے‘ لیکن داڑھی ان میں شامل نہیں‘ حالانکہ احادیث صحیحہ کی رُو سے ایک مسلمان کے لیے داڑھی رکھنا ضروری ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث ہے:

((عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ : قَصُّ الشَّارِبِ وَاِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ......)) (۱۸)

’’دس خصلتیں فطرت میں سے ہیں: مونچھیں کٹوانا‘ داڑھی بڑھانا......‘‘

فتح الباری میں فطرت کے مفہوم کے حوالے سے اہل علم کی کئی آراء ذکر کی گئی ہیں جو معنی کے لحاظ سے تقریباً متفق ہیں۔ قاضی بیضاوی کے حوالے سے ابن حجر لکھتے ہیں:

وقد ردّ القاضی البیضاوی الفطرة فی حدیث الباب الی مجموع ما ورد فی معناها وھو الاختراع والجبلة والدین والسنة فقال: ھی السنة القدیمة التی اختارھا الانبیاء واتفقت علیھا الشرائع وکانھا امر جبلی فطروا علیھا (۱۹)

’’قاضی بیضاوی نے مذکورہ حدیث میں لفظ فطرت کو اس مفہوم کی روایات کے مجموعے کی طرف لوٹایا ہے اور وہ ہے اختراع‘ جبلت‘ دین اور سنت۔ چنانچہ فرمایا کہ یہ (فطرت) وہ سنت قدیمہ ہے جسے انبیاء علیہم السلام نے اختیار فرمایا اور تمام شریعتیں اس پر متفق ہیں۔ گویا یہ ایک جبلی امر ہے جس پر اصلاً لوگوں کی تخلیق ہوئی۔‘‘

یہاں قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ داڑھی ’اہل اشراق‘ کی تعریفِ سنت پر بدرجۂ اتم پوری اترتی ہے۔ ان کے نزدیک سنت:

’’دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبیﷺ نے اس کی تجدید واصلاح کے بعد اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔‘‘ (۲۰)

اب دیکھئے یہاں تو صرف دین ابراہیمی کا ذکر کیا گیا جبکہ اوپر قاضی بیضاوی کے حوالے سے ذکر کیا گیا کہ فطرت سے مراد وہ چیزیں ہیں جن پر تمام انبیاء اور ان کی شرائع کا اتفاق رہا ہے۔ سنت کے حوالے سے غامدی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ہمیں قرآن کی طرح امت کے اجماع سے ملی ہے۔

اس سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ داڑھی کے بارے میں امام ابن حزم ’’مراتب الاجماع‘‘ میں

لکھتے ہیں:

واتفقوا ان حلق جمیع اللحیة مثلة لا تجوز [۲۱]

''اُمت کے سب علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ داڑھی مونڈنا مثلہ (عیب دار کرنا) ہے اور یہ جائز نہیں''۔

اسی طرح 'موسوعة الاجماع' میں 'حلق اللحیة' کے عنوان کے تحت یہی عبارت موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیے ۱/۵۴۰۔ ظاہر ہے کہ جب مونڈنا جائز نہیں تو رکھنا ضروری ہوا۔

یہ امر باعث تعجب اور فہم سے بالاتر ہے کہ سنت کی شرائط (جو خود غامدی صاحب نے ذکر کی ہیں) پر پورا اترنے کے باوجود داڑھی کو آخر کس حکمت و مصلحت کے پیش نظر سنت سے خارج کر دیا گیا ہے؟

تفصیل بالا سے واضح ہوا کہ اہل 'المورد' کے اپنے اصولوں کی رو سے داڑھی دین کا حصہ قرار پاتی ہے اور اس مسئلہ میں وہ تمام اُمت کی مخالفت کے ساتھ ساتھ اپنے ہی اصول کی مخالفت کے بھی مرتکب ہوئے ہیں۔

(۹) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی

ملتِ اسلامیہ کے وہ متفقہ امور جن سے 'اہل اشراق' نے بلا دلیل قطعی اختلاف کر کے تفرد کی راہ اختیار کی ہے انہی میں سے ایک مسئلہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے قربِ قیامت نزول کا بھی ہے۔ چنانچہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کے حوالے سے ایک سوال کے جواب میں 'اہل اشراق' کی طرف سے لکھا گیا:

''یہ قرائن اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی سے متعلق احادیث کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے اور بطور خاص قرآن مجید کے محولہ بالا مقامات سے سامنے آنے والے عقدے کو حل کیا جائے۔ جب تک ان سوالات کا قابل اطمینان جواب نہیں ملتا' اس باب میں کوئی حتمی بات کہنا ممکن نہیں ہے۔'' [۲۲]

یہاں جن قرائن کی طرف اشارہ ہے......؟ وہ تین ہیں:

۱۔ سورۂ آل عمران میں رفع عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے' لیکن آمد ثانی کا تذکرہ نہیں۔

۲۔ سورۃ المائدۃ میں روز قیامت اللہ تعالیٰ اور سیدنا عیسیٰؑ کے مابین مکالمے کا ذکر ہے' لیکن آمد ثانی کی تصریح نہیں۔

٣۔ حدیث کی سب سے پہلے مرتب ہونے والی کتاب ’موطا امام مالک‘ میں حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی سے متعلق کوئی روایت موجود نہیں۔ 3

گویا جس عقیدے (یا بات) کا ذکر قرآن یا موطا امام مالک میں نہ ہو اس کا معاملہ مشکوک ہو جاتا ہے‘ اس کے بارے میں اور کوئی حتمی بات کہنا ممکن نہیں رہتا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ بات احادیث کا بنظر غائر جائزہ لینے کے بغیر محض ٹالنے کی خاطر کہی گئی ہے‘ کیونکہ اہل اشراق کے نزدیک حدیث سے:

’’دین میں کسی عقیدہ و عمل کا ہرگز کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔‘‘(٢٣)

رہ گئی سنت تو:

’’سنت کا تعلق تمام تر عملی زندگی سے ہے‘یعنی وہ چیزیں جو کرنے کی ہیں۔ علم و عقیدہ‘ تاریخ‘ شان نزول اور اس طرح کی دوسری چیزوں کا سنت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔‘‘(٢٤)

باقی بچا قرآن تو اس کے بارے میں یہ تصریح کی جا چکی ہے کہ اس میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر نہیں۔ اب یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ اگر احادیث کا بنظر غائر جائزہ لے بھی لیا جائے اور ان سے نزول عیسیٰ علیہ السلام کا ثبوت مل بھی جائے تو ’اہل اشراق‘ اسے کس طرح تسلیم کر سکتے ہیں؟ سنت سے ویسے اس کا ثبوت نہیں ہوسکتا اور نہ ہی وہ قرآن میں موجود ہے‘ لہٰذا اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ ان کے ہاں قابل تسلیم نہیں ہوسکتا۔ اب ملاحظہ فرمایئے کہ اُمت کا اس باب میں کیا موقف ہے۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں:

قال القاضی رحمہ اللہ: نزول عیسیٰ علیہ السلام وقتلہ الدجال حق‘ وصحیح عند اھل السنۃللاحادیث الصحیحۃ فی ذلک ولیس فی العقل ولا فی الشرع ما یبطلہ‘ فوجب اثباتہ (٢٥)

’’قاضی (عیاضؒ) نے فرمایا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا نازل ہونا اور دجال کو قتل کرنا اہل سنت کے نزدیک حق اور صحیح ہے اور عقلی اور شرعی طور پر کوئی ایسا امر نہیں جو اسے باطل قرار دے‘ لہٰذا اس کا اثبات لازم ٹھہرا‘‘۔

اس امر میں اُمت کا کوئی اختلاف نہیں‘ کیونکہ امام نوویؒ نے اس کا کوئی ذکر نہیں فرمایا۔ اسی

لیےاس عقیدے کا ذکر 'موسوعۃ الاجماع' میں بھی کیا گیا ہے۔[۲۶]

یاد رہے کہ نزول عیسیٰ کی روایات اہل علم کے ہاں متواتر ہیں لہٰذا ان پر ایمان واجب ہے۔[۲۷] یہاں یہ امر بھی باعث دلچسپی ہوگا کہ نزول عیسیٰ کا انکار صرف بعض معتزلہ، جہمیہ اور ان کے ہمنواؤں نے کیا ہے۔[۲۸]

حرف آخر

مندرجہ بالا بحث سے بآسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جناب غامدی صاحب کا فکر کیا برگ و بار لا رہا ہے۔ ''اہل اشرق' کے اُمت مسلمہ کے مسلّمات سے انحراف کی فہرست میں اور بھی بہت سے امور شامل ہیں۔ بغرض اختصار چند امور 'بطور مشتے نمونہ از خروارے' پیش کئے گئے ہیں جس سے فقط یہ مقصود ہے کہ غامدی مکتب فکر کے افکار و نظریات کے مضمرات اور اثرات و نتائج کا ادراک کیا جا سکے۔ 'اہل المورد' کی خدمت میں بھی بصد ادب گزارش ہے کہ ٹھنڈے دل سے ان معروضات پر غور فرمائیں اور اپنے نقطہ نظر پر نظر ثانی کریں۔ امید ہے کہ ان سطور کو لائق توجہ سمجھا جائے گا۔

﴿اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ﴾

☆☆

حوالہ جات:

(۱۳) www.urdu.understanding-islam.org

(۱٤) موسوعة الاجماع (۱۰۵۷/۲)

(۱۵) www.urdu.understanding-islam.org

(۱٦) میزان' جاوید احمد غامدی' ص ۱۰ (۱۷) ایضاً' ص ۱۰

(۱۸) صحیح مسلم' کتاب الطھارة' باب خصال الفطرة۔

(۱۹) فتح الباری (٤۱٦/۱۳' ٤۱۷) (۲۰) میزان' جاوید احمد غامدی' ص ۱۰

(۲۱) مراتب الاجماع' ابن حزم' ص ۱۵۷۔ (۲۲) ماھنامہ اشراق' جنوری ۱۹۹٦ء' ص ٦۱

(۲۳) میزان' جاوید احمد غامدی' ص ۱۰ (۲٤) ایضاً' ص ٦۵

(۲۵) شرح مسلم از نووی (۲۷۸/۱۸) (۲٦) موسوعة الاجماع (۱۰۳٦/۲)

(۲۷) شرح عقیدہ طحاویہ لابی العز الحنفی' ص ۵۰۱۔

(۲۸) شرح مسلم از نووی (۲۷۸/۱۸)

کیا رجم کی سزا صرف عادی مجرموں کے لیے ہے؟

(حدود آرڈیننس سے متعلق ایک مذاکرے پر تبصرہ)

ڈاکٹر فرخ رضا

کچھ عرصہ پہلے جیو ٹی وی کے ایک پروگرام میں حدود آرڈیننس سے متعلق ایک مذاکرہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس پروگرام میں میزبان سمیت پینل میں شامل شرکاء کی کل تعداد چار تھی، جن میں تین خواتین اور ایک ہمارے ملک کے مشہور و معروف مذہبی اسکالر جناب جاوید احمد غامدی تھے۔ مذاکرے میں شامل شرکاء تین مختلف قسم کے نقطہ ہائے نظر کی نمائندگی کر رہے تھے۔ ایک نقطۂ نظر قائلین رجم کا تھا۔ دوسرا منکرین رجم یا رجم کی سزا کو آج کے دَور میں ناقابلِ عمل تصور کرنے والوں کا تھا اور تیسرا نقطۂ نظر جناب جاوید احمد غامدی صاحب کا تھا جو ایک نئے زاویۂ فکر کی نمائندگی کر رہے تھے۔ غامدی صاحب کا نقطۂ نظر بظاہر دو انتہاؤں کے درمیان مگر حقیقت میں ان خیالات کے قریب تھا جو رجم یا سنگسار کی حد کے قائل نہیں۔

اس مضمون میں مَیں دراصل جاوید احمد غامدی صاحب کے خیالات پر چند گزارشات پیش کرنا چاہتا ہوں، اور اس ضمن میں علمائے کرام اور اہل علم حضرات سے بھی گزارش ہے کہ وہ بھی اپنے اپنے خیالات کا اظہار کریں تاکہ عوام کو صحیح بات سمجھنے کا موقع مل سکے۔

جاوید احمد صاحب کی گفتگو میں چند باتیں نہایت ہی اچھوتی وارد ہوئی ہیں جن سے ایک صحابی رسولؐ کی پوزیشن و شخصیت مجروح ہوتی نظر آتی ہے۔ جاوید صاحب کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے:

اوّل: زنا کی سزا ''رجم'' صرف اُن افراد تک محدود ہے جو عادی مجرم اور بدمعاش ہوں، قطع نظر اس سے کہ وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔

دوم: مدینہ کی ریاست میں پہلی دفعہ جب اس سزا کا اجراء ہوا تو وہ صحابی حضرت معاذ (رضی اللہ عنہ) تھے جو کہ ایک اوباش آدمی تھے۔ (معاذ اللہ، نقل کفر کفر نہ باشد!)

سوم: دورِ صحابہ سے لے کر آج تک ہمارے اسلاف رجم کی سزا کے حوالے سے غلط فہمی کا

_2006_PDF\meesaq november06\ms04-10 rajam ki saza.inp 8/20/2014 12:17 PM PAGE 1 (1,1)

شکار رہے ہیں، اور اس معاملہ میں نبی اکرم ﷺ کے ارشادات کو سمجھنے میں بحیثیت مجموعی ان حضرات کو مغالطہ ہوا ہے۔ 1

اس ضمن میں راقم عرض کرتا ہے کہ شاید بلکہ یقیناً مغالطہ جاوید احمد صاحب کو ہوا ہے۔ انہوں نے صحیح مسلم کی ایک روایت سے رائی کا پربت بنانے کی کوشش کی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نفسِ رجم میں متفق ہونے کے باوجود اس کے بعض جزئیات میں ہمارے اسلاف کی آراء میں اختلاف رہا ہے، اور اس قسم کا اختلاف جاوید صاحب کو بھی رکھنے کا حق ہے، مگر افسوس کہ جاوید صاحب نہ صرف رجم کی سزا کے قائل نظر نہیں آتے بلکہ وہ ایک قدم آگے بڑھ کر ایک صحابیؓ کی پوزیشن کو بھی مجروح کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے علم کے زعم میں ایک صحابی کو (معاذ اللہ) اوباش و بدمعاش لوگوں کی صف میں شامل کر دیا ہے اور اب اس تہمت کو ہٹانا علمائے کرام و اہل قلم کی ذمہ داری ہے۔

یہ بات تاریخ کے اوراق سے ثابت ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نہ صرف سزا پا کر اپنے جرم کی تلافی کر لی تھی، بلکہ بعد میں نبی اکرم ﷺ نے ان کے لیے مغفرت کی دعا بھی کی تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے سزا کا فیصلہ سنانے سے پہلے باقاعدہ قانونی جرح کی اور معاذؓ کے بارے میں ان کے قبیلہ کے لوگوں نے گواہی دی تھی کہ ''معاذ کی عقل بالکل درست ہے اور یہ ہمارے صالح لوگوں میں سے ہے اور نہ ہی اِس میں کوئی خرابی ہے اور نہ اس کی عقل میں''۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو رجم کی سزا دینے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''معاذ نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایک اُمت کے درمیان تقسیم کر دی جائے تو سب کو کافی ہو جائے''۔

مختصراً یہ کہ اوّل : یہ بات کسی بھی طرح ثابت نہیں ہوتی کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا نام لے کر اُن کے منفی کردار کا تذکرہ کیا ہو کہ سوسائٹی میں خراب شہرت کی بنا پر وہ رجم کی سزا کے مستحق ہیں۔ البتہ یہ بات ٹھیک ہے کہ جب مدینہ میں پہلی مرتبہ اس سزا کا اجراء ہوا تو آپؐ نے اس نفسیاتی موقع سے فائدہ اٹھا کر تنبیہاً ان افراد کو متنبہ کیا (غالباً منافقین) جن کا کردار مشکوک تھا اور وہ مدینہ کے پاکیزہ ماحول کو خراب کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر آپؐ نے یہ بتایا کہ اب مدینہ کی ریاست میں رجم کا فوجداری قانون نافذ ہو چکا ہے۔

دوم : یہ عجیب بات ہے کہ رجم کی سزا سے متعلق جتنی بھی احادیث وارد ہوئی ہیں اُن میں رجم کی سزا اُن لوگوں کو دی گئی جو سب کے سب شادی شدہ تھے، کبھی بھی کسی غیر شادی شدہ زانی کو رجم نہیں کیا

گیا۔اب یہ مسئلہ لاینحل ہے کہ رجم کی سزا کو آیت محاربہ (المائدۃ:۳۳) میں وارد فساد فی الارض کی سزا سے ثابت کیا جائے۔ یہ آیت تو اس بات کی متقاضی ہے کہ فساد فی الارض کے مرتکب اوباش زانیوں کو بدل بدل کر سزائیں دی جائیں، کبھی ان کو قتل کیا جائے، کبھی ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں، کبھی قید یا جلاوطن کیا جائے، وغیرہ وغیرہ۔سوال یہ ہے کہ زنا کی سزا میں (شادی شدہ ثابت ہو جانے کے بعد) ہمیشہ رجم ہی کیوں کیا گیا؟ بس جس طرح چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے اسی طرح قرآن کی رو سے غیر شادی شدہ زانی کو سو کوڑے اور حدیث کی رو سے شادی شدہ زانی کو رجم یعنی سنگسار کی سزا ہے۔اور یہی حد دَورِ نبویؐ سے لے کر خلفائے راشدین اور بعد کے اَدوار میں اجماع کے ساتھ اسلامی قانون کا حصہ بنی رہی اور سوائے چند معتزلہ کے کبھی کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔اور اب بھی اس کا انکار صرف چند مغرب زدہ لوگ کر رہے ہیں یا پھر جاوید غامدی صاحب اور ان کے ہم نوا۔

سوم: غامدی صاحب کے موقف کو تسلیم کرنے کے بعد عجیب طرفہ تماشا نظر آتا ہے کہ اُس زمانے میں جتنے افراد کو بھی سنگسار کیا گیا وہ تمام کے تمام نہ صرف شادی شدہ تھے بلکہ فساد فی الارض کے مرتکب بھی، اور صرف کوڑوں کی سزا پانے والے نہ صرف غیر شادی شدہ تھے بلکہ معصوم۔سوال یہ ہے کہ کیا اُس زمانے کے غیر شادی شدہ اوباش یا بدمعاش نہیں ہوتے تھے؟ اور یہ بیماری ان میں اُسی وقت سرایت کرتی تھی جب وہ شادی کے مرحلہ سے گزر جاتے تھے؟ جبکہ زمانۂ جاہلیت میں بھی عرب کا وہی کلچر تھا جو آج کل مغرب کا ہے۔ وہاں کم و بیش چھ یا سات تو نکاح کی اقسام تھیں جن میں ایک عورت بیک وقت کئی افراد سے تعلق قائم کر سکتی تھی اور مرد لاتعداد مرتبہ متعہ جیسے عمل سے گزر سکتا تھا۔

چہارم: فساد فی الارض سمیت دیگر جرائم کا ارتکاب کرنے والے مجرموں کو حدود و تعزیرات کی مختلف سزاؤں کا نشان تو ملتا ہے مگر کہیں بھی ان مجرموں کو اس طرح سنگسار نہیں کیا گیا۔مگر شادی شدہ زانی کو ضرور سنگسار کیا گیا، قطع نظر اس سے کہ وہ معصوم تھے یا اوباش۔

پنجم: ماہنامہ ''نقوشِ رسولؐ نمبر'' میں دَورِ نبویؐ میں زنا سے متعلق تمام واقعات کو تقریباً جمع کر دیا گیا ہے۔ان سب واقعات کا مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عموماً زنا میں ملوث افراد پر توجہ نہیں فرماتے تھے اِلّا یہ کہ کوئی آ کر اپنے گناہ کو تسلیم کرے اور خود آ کر اقرار کرے کہ میرے اس گناہ کو دھویا جائے اور مجھے پاک کیا جائے۔ پھر آپؐ جرح کرنے کے بعد غیر شادی شدہ زانی کو کوڑوں اور شادی شدہ زانی کو رجم کا حکم دیتے۔بعض احادیث میں اس خدشہ کا بھی اظہار آیا

_2006_PDF\meesaq november06\ms04-10 rajam ki saza.inp 8/20/2014 12:17 PM PAGE 2 (1,1)

ہے کہ بعد کے اَدوار میں کہیں لوگ اس بنا پر رجم کا انکار نہ کر دیں کہ اس کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔
اب غامدی صاحب نے ایک نیا موقف اختیار کیا ہے کہ انہوں نے لبرل اور مغرب زدہ لوگوں کی طرح رجم کا انکار تو نہیں کیا مگر اس کو یہ کہہ کر محدود کر دیا ہے کہ یہ صرف ''عادی مجرموں کے لیے ہے''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص عادی مجرم نہ ہو' بلکہ صرف شادی شدہ ہو اور زنا کا ارتکاب کرے تو غامدی صاحب کے موقف کی رو سے اس کے لیے صرف کوڑوں کی ہلکی پھلکی سزا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ رجم کی سزا سے متعلق تمام روایات میں اشارتاً و کنایتاً کہیں بھی یہ نہیں ہے کہ عادی مجرموں کی سزا رجم ہے چاہے وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔ اس کے برعکس یہ بات واضح نظر آتی ہے اور اس پر تقریباً ہر دَور میں علماء کا اجماع رہا ہے کہ قرآن کی رو سے غیر شادی شدہ زانی وزانیہ کی سزا سو کوڑے ہیں اور حدیث کی رو سے شادی شدہ زانی کو سنگسار یا رجم کا حکم ہے۔

اس مذاکرے میں شامل اس خاتون کا موقف بالکل صحیح ہے کہ پہلے قرآن و حدیث کی روشنی میں یہ تسلیم کیا جائے کہ اسلامی قانون میں شادی شدہ زانی وزانیہ کی حد رجم ہے' پھر اس بات پر مزید گفتگو کی جائے کہ موجودہ حدود آرڈی نینس کے عملی نفاذ کے کیا کمزور پہلو ہیں' اور پھر موجودہ دَور میں قانونِ شہادت و گواہی اور دیگر قانونی نکات سے رونما ہونے والی قباحتیں اور نتائجِ بد کو درست کرنے کی سبیل کی جائے۔ OO

مُحرَّمات (۷)

(حرام اُمور' جن سے بچنا ضروری ہے)

حافظ محمد زبیر

(۵۰) غیبت کرنا

ہمارے ہاں غیبت کو بہت ہلکا گناہ سمجھا جاتا ہے اور اچھے خاصے دین دار حضرات بھی اس بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں' خصوصاً عورتوں میں تو یہ خرابی بہت عام ہے' حالانکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا یَغۡتَبۡ بَّعۡضُکُمۡ بَعۡضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُکُمۡ اَنۡ یَّاۡکُلَ لَحۡمَ اَخِیۡہِ مَیۡتًا فَکَرِہۡتُمُوۡہُ ؕ﴾ (الحُجرٰت:۱۲)

''اور تم ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ پس اسے تو تم ناپسند کرتے ہو۔''

کسی مسلمان بھائی کی غیبت کرنے کو کسی میت کا گوشت کھانے سے تشبیہہ دی گئی ہے' کیونکہ میت جس طرح اپنے دفاع پر قادر نہیں ہوتی' آپ اس کے جسم کی بوٹیاں جس طرح چاہیں نوچ لیں' اسی طرح کا معاملہ اس مسلمان بھائی کا بھی ہوتا ہے جو مجلس میں حاضر نہیں ہے' اور آپ اس کی عزت پر جس طرح چاہیں حملہ کریں' وہ اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے غیبت کی وضاحت کرتے ہوئے ایک دفعہ صحابہؓ سے سوال کیا:

((اَتَدْرُوْنَ مَا الْغِیْبَۃُ؟)) قَالُوا: اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ ' قَالَ : ((ذِکْرُکَ اَخَاکَ بِمَا یَکْرَہُ)) قِیْلَ : اَفَرَاَیْتَ اِنْ کَانَ فِیْ اَخِیْ مَا اَقُوْلُ؟ قَالَ : ((اِنْ کَانَ فِیْہِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَہٗ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ فِیْہِ فَقَدْ بَھَتَّہٗ))(۱)

''کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟ تو صحابہؓ نے کہا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اپنے بھائی کا ذکر ایسے الفاظ کے ساتھ کرے کہ جو اسے ناپسند ہوں۔ آپؐ سے کہا گیا: اگر جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ (برائی) میرے بھائی میں موجود بھی ہو (تو کیا پھر بھی غیبت ہو گی)؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ (برائی) جس کا تو تذکرہ کر رہا ہے تیرے بھائی میں ہے تو پھر تو یہ غیبت ہے اور اگر اس میں موجود نہیں ہے تو پھر تو نے اس پر بہتان لگایا۔''

اگر کسی مجلس میں کسی مسلمان بھائی کی غیبت ہو رہی ہو تو دوسروں کو چاہیے کہ وہ ان کو اس منکر سے روکیں۔ کسی مسلمان بھائی کی طرف سے دفاع کرنا بہت ہی اجر و ثواب کا باعث ہے' کیونکہ اکثر اوقات غیبت کی وجوہات میں سے بڑی وجہ غلط فہمی ہوتی ہے۔ جب آپ کسی مسلمان بھائی کے بارے میں غلط فہمی یا سوئے ظن کا شکار ہو جاتے ہیں تو اس کی برائی بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس لیے مسلمان بھائیوں کے درمیان غلط فہمیوں کو ختم کرنا اور سوئے ظن کا ازالہ کرنا آخرت میں اجر و ثواب کا باعث ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ اَخِیْهِ رَدَّ اللّٰهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ))[۲]

''جس نے اپنے کسی مسلمان بھائی کی عزت کی حفاظت کی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے چہرے کو آگ سے محفوظ فرمائے گا۔''

غیبت کس قدر قبیح فعل ہے اس کا اندازہ رسول اللہ ﷺ کی ایک روایت سے ہوتا ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے:

((اَلرِّبَا اثْنَانِ وَسَبْعُوْنَ بَابًا اَدْنَاهَا مِثْلَ اِتْیَانِ الرَّجُلِ اُمَّهُ وَاِنَّ اَرْبَی الرِّبَا اسْتِطَالَةُ الرَّجُلِ فِیْ عِرْضِ اَخِیْهِ))[۳]

''سود کے بہتر درجات ہیں' ان میں سب سے کم تر درجہ ایسے ہی ہے جیسا کہ کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرے' اور اس کا بڑا درجہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی عزت پر دست درازی کرے۔''

(۵۱) چغل خوری

چغل خوری کا مطلب ہے ایک شخص کی گفتگو دوسرے کے پاس جا کر نقل کرنا' تاکہ دونوں میں قطع تعلقی یا لڑائی جھگڑا پیدا ہو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ))(٤)

''چغل خور جنت میں داخل نہ ہوگا۔''

عام طور پر چغل خوری میاں بیوی کے درمیان تعلقات خراب کرنے کے لیے ہوتی ہے' یا پھر دفتر میں بعض ملازمین اپنے ساتھیوں کی شکایات آفیسرز کو جا کر لگاتے ہیں تا کہ آفیسرز ان سے ناراض ہوں اوران کونوکری سے برخاست کر دیں۔ یہ بھی چغل خوری ہی ہے۔البتہ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ کوئی ملازم کام چور ہے اور محکمے یا ادارے کا نقصان کر رہا ہے اور آپ کی طرف سے اصلاح کی کوشش کے باوجود وہ اپنی روش پر قائم ہے اور آپ اپنے محکمے یا ادارے کو نقصان سے بچانے کے لیے اس ملازم کی شکایت افسران بالا تک پہنچاتے ہیں تو یہ چغل خوری نہیں ہے۔ چغل خوری وہ ہوتی ہے کہ جس میں اصل مقصد کسی فرد یا ادارے کی بھلائی نہیں ہوتی بلکہ لوگوں کے درمیان قطع تعلقی اور زمین پر فساد پھیلانا ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینے کے ایک باغ کے پاس سے گزرے تو آپؐ نے دوانسانوں کی آواز سنی جن کو قبر میں عذاب دیا جارہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((يُعَذَّبَانِ ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ)) ثُمَّ قَالَ : ((بَلٰى كَانَ اَحَدُهُمَا لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهٖ وَكَانَ الْآخَرُ يَمْشِيْ بِالنَّمِيْمَةِ))(٥)

''ان دونوں کو عذاب دیا جارہا ہے اوران کو عذاب کسی بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں ہو رہا''۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہیں' ان میں سے ایک تو اپنے پیشاب (کے چھینٹوں) سے نہیں بچتا تھا جبکہ دوسرا چغل خور تھا۔''

(۵۲) لوگوں کے گھروں میں بغیر اطلاع کے داخل ہونا

کسی کے گھر میں بغیر اطلاع کے داخل ہونا حرام ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ؕ﴾ (النور:٢٧)

''اے اہل ایمان! تم اپنے گھروں کے علاوہ دوسروں کے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک کہ اجازت نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ کہہ لو۔''

ہمارے ہاں یہ برائی بہت عام ہے' خصوصاً قریبی رشتہ داروں میں کہ جب کسی رشتہ دار کے ہاں جاتے ہیں تو بغیر دروازہ کھٹکھٹائے یا گھنٹی دیے اندر گھس جاتے ہیں۔ گھر کی خواتین

Meesaaq_2006\Meesaaq_2006_PDF\meesaq november06\ms20-12 haram omoor-4.inp 8/20/2014 12:33 PM PAGE 2 (1,1)

گھر کے کام کاج کے دوران ہر وقت مکمل ستر میں نہیں ہوتیں‘ اس لیے یہ بالکل بھی مناسب نہیں کہ بغیر اطلاع کے کسی کے گھر میں داخل ہوا جائے۔ رسول اللہﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنِ اطَّلَعَ فِیْ بَیْتِ قَوْمٍ بِغَیْرِ اِذْنِھِمْ فَقَدْ حَلَّ لَھُمْ اَنْ یَفْقَئُوْا عَیْنَہٗ))[٦]

’’جو شخص بھی کسی قوم کے گھر میں بغیر ان کی اجازت کے جھانکے تو ان کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کی آنکھ پھوڑ دیں۔‘‘

(۵۳) دو آدمیوں کا تیسرے کی موجودگی میں سرگوشی کرنا

مسلمانوں کے درمیان افتراق و انتشار پھیلانے والی آفات میں سے یہ بھی ایک آفت ہے کہ ایک ہی مجلس کے دو افراد تیسرے کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشی کرنے لگیں۔ اسی لیے رسول اللہﷺ کا ارشاد ہے:

((اِذَا کُنْتُمْ ثَلَاثَۃً فَلَا یَتَنَاجٰی رَجُلَانِ دُوْنَ الْآخَرِ))[٧]

’’جب تم تین ہو تو دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشی نہ کریں۔‘‘

اسی طرح کا حکم چار یا اس سے زائد افراد کے لیے بھی ہے۔ اس حکم کا مقصد یہی ہے کہ تیسرے آدمی کی دل آزاری نہ ہو یا وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ دونوں میرے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں۔ البتہ اگر تیسرا آدمی بقیہ دو کی سرگوشی سے راضی ہو تو پھر یہ سرگوشی حرام نہیں ہوگی۔ اور افضل عمل یہی ہے کہ اگر مجلس میں تینوں افراد برابر کے شریک ہوں اور دو نے علیحدگی میں کوئی بات کرنی ہے تو تیسرے سے اجازت لے لیں۔

(۵۴) اپنے کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا

ایسی برائیاں جن کو لوگ چھوٹا سمجھتے ہیں‘ حالانکہ اللہ کے ہاں وہ بہت بڑے گناہوں میں شمار ہوتی ہیں‘ ان میں سے ایک اسبالِ ازار بھی ہے‘ یعنی اپنی تہبند یا شلوار وغیرہ کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا۔ رسول اللہﷺ کا ارشاد ہے:

((ثَلَاثَۃٌ لَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْھِمْ وَلَا یُزَکِّیْھِمْ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ)) قَالَ : فَقَرَأَھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ثَلَاثَ مِرَارًا‘ قَالَ اَبُوْذَرٍّ: خَابُوْا وَخَسِرُوْا مَنْ ھُمْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ : ((اَلْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَہٗ بِالْحَلِفِ الْکَاذِبِ))[٨]

''تین افراد ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ تو ان سے کلام کرے گا' نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا' اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات تین بار دہرائی۔ حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ خائب و خاسر ہونے والے کون لوگ ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا: (پہلا شخص وہ ہے جو کہ) اپنے کپڑے کو لٹکانے والا ہے' اور (دوسرا) احسان جتلانے والا اور (تیسرا وہ تاجر جو کہ) اپنے سامان کو جھوٹی قسم سے بیچتا ہے۔''

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ احادیث میں اسبالِ ازار کی جو ممانعت آئی ہے وہ تکبر کی وجہ سے اسبالِ ازار ہے' لہٰذا اگر تکبر نہ ہو تو اسبالِ ازار جائز ہے۔ یہ لوگ اسبالِ ازار کی علت تکبر بتاتے ہیں' لیکن یہ طرزِ فکر صحیح نہیں ہے۔ بعض روایات میں اسبالِ ازار کے ساتھ جو تکبر کا ذکر ہے وہ اس کی علت نہیں بلکہ حکمت ہے۔ اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے:

((مَا تَحتَ الْـکَعْبَیْنِ مِنَ الْاِزَارِ فَفِی النَّارِ))(۹)

''تہبند کا جو حصّہ ٹخنوں سے نیچے ہو گا وہ آگ میں جائے گا۔''

رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث عام ہے' اس میں تکبر کا ذکر نہیں ہے۔ ہاں اگر اسبالِ ازار تکبر کے ساتھ ہو تو پھر اس کی سزا بڑھ جاتی ہے' جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ جَرَّ ثَوْبَہٗ خُیَلَاءَ لَمْ یَنْظُرِ اللّٰہُ اِلَیْہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ))(۱۰)

''جو کوئی اپنے کپڑے کو تکبر کی وجہ سے لٹکائے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر کرم نہیں فرمائے گا۔''

تہبند ہو' شلوار ہو یا پتلون ہو' اس کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا حرام ہے۔ بعض روایات میں اسبالِ ازار ہی کو تکبر قرار دیا گیا ہے' اس لیے کہ یہ اکثر اوقات تکبر کا باعث بنتا ہے' لہٰذا اسی اسبالِ ازار کو بجائے خود حرمت کی علت بنا دیا گیا ہے۔

(۵۵) مَردوں کا سونا پہننا

ہمارے معاشرے میں ایک بیماری یہ بھی پائی جاتی ہے کہ مَرد بھی عورتوں کی طرح سونے کی انگوٹھیاں اور لاکٹ وغیرہ استعمال کرتے ہیں جو کہ حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اُحِلَّ الذَّھَبُ وَالْحَرِیْرُ لِاِنَاثِ اُمَّتِیْ وَحُرِّمَ عَلٰی ذُکُوْرِھَا))(۱۱)

''میری امت کی عورتوں کے لیے سونا اور ریشم حلال کیے گئے ہیں' لیکن یہ میری اُمت کے مَردوں پر حرام ہیں''۔

Meesaaq_2006\Meesaaq_2006_PDF\meesaq november06\ms20-12 haram omoor-4.inp 8/20/2014 12:33 PM PAGE 3 (1,1)

اللہ کے رسولﷺ کی اس وعید کو دیکھیں اور ہمارے ہاں مَردوں کی جہالت اور لاعلمی کا ماتم کریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے ایک دفعہ ایک مَرد کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو آپؐ نے وہ انگوٹھی اتار کر پھینک دی اور فرمایا:

((یَعْمِدُ اَحَدُکُمْ اِلٰی جَمْرَۃٍ مِنْ نَارٍ فَیَجْعَلُھَا فِیْ یَدِہٖ)) فَقِیْلَ لِلرَّجُلِ بَعْدَ مَا ذَھَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : خُذْ خَاتِمَکَ انْتَفِعْ بِہٖ' قَالَ : لَا وَاللّٰہِ لَا آخُذُہٗ اَبَدًا وَقَدْ طَرَحَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ (۱۲)

''تم میں سے کوئی آگ کے انگارے کا قصد کرتا ہے اور پھر اسے اپنے ہاتھ میں پہن لیتا ہے''۔ جب اللہ کے رسولﷺ چلے گئے تو اُس آدمی سے کہا گیا کہ اپنی یہ انگوٹھی لے لو اور اس سے فائدہ اٹھاؤ (یعنی اس کو کسی اور استعمال میں لے آؤ' مثلاً اپنی بیوی کو دے دو یا بیچ کر قیمت استعمال کر لو) تو اُس نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! میں اب اسے ہرگز نہیں لوں گا کیونکہ اللہ کے رسولﷺ اسے پھینک چکے ہیں۔''

(۵۶) مَردوں کا عورتوں کے ساتھ اور عورتوں کا مَردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا

فطرت انسانی کا یہ تقاضا ہے کہ مرد اپنی مردانگی اور عورتیں اپنی نسوانیت کو برقرار رکھیں۔ مغربی معاشروں سے ہمارے ہاں درآمد شدہ خرابیوں میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ مرد عورتوں کی صفات اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں' مثلاً مردوں کا عورتوں کی طرح لمبے بال رکھنا' کانوں میں بالیاں پہننا' ہاتھوں میں کڑے اور گردن میں لاکٹ پہننا اور داڑھی منڈوانا۔ جبکہ عورتیں مردوں کی صفات اختیار کرنے کی کوشش کرتی ہیں' مثلاً عورتوں کا مردوں کی طرح بال چھوٹے رکھنا' اپنی شلواروں کو ٹخنوں سے اوپر رکھنا اور مردوں کے لباس پہننا وغیرہ۔ اللہ کے رسولﷺ نے ایسے مردوں اور عورتوں پر لعنت کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ الْمُتَشَبِّھِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّھَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ (۱۳)

''اللہ کے رسولﷺ نے اُن مردوں پر لعنت کی ہے جو عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرتے ہیں اور اسی طرح آپؐ نے اُن عورتوں پر بھی لعنت کی ہے جو مردوں

کے ساتھ مشابہت اختیار کرتی ہیں۔''

اسی طرح آپ ﷺ نے ایسے مردوں اور عورتوں پر بھی لعنت فرمائی ہے جو کہ جنس مخالف کا لباس پہنتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَعَنَ الرَّجُلَ یَلْبَسُ لُبْسَةَ الْمَرْأَةِ وَالْمَرْأَةُ تَلْبَسُ لُبْسَةَ الرَّجُلِ))(١٤)

''اللہ کے رسول ﷺ نے اس مرد پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کے لباس جیسا لباس پہنتا ہے اور اس عورت پر بھی لعنت فرمائی ہے جو مردوں کے لباس جیسا لباس پہنتی ہے۔''

(۵۷) پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچنا

شریعت اسلامیہ کے محاسن میں سے ایک طہارت بھی ہے۔ ہماری شریعت میں بہت سارے احکامات ایسے ہیں جن کا تعلق نجاست کے ازالے سے ہے' ان میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ پیشاب کرتے وقت اپنے آپ کو اس کے چھینٹوں سے بچائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک باغ کے پاس سے ہوا تو آپؐ نے دو انسانی آوازیں سنیں جنہیں ان کی قبروں میں عذاب دیا جا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((یُعَذَّبَانِ' وَمَا یُعَذَّبَانِ فِیْ کَبِیْرٍ)) ثُمَّ قَالَ: ((بَلٰی کَانَ اَحَدُھُمَا لَا یَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهٖ وَکَانَ الْآخَرُ یَمْشِیْ بِالنَّمِیْمَةِ))(١٥)

''ان دونوں کو عذاب دیا جا رہا ہے' اور انہیں کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جا رہا''۔ پھر آپؐ نے فرمایا: ''کیوں نہیں' ان میں سے ایک تو اپنے پیشاب (کے چھینٹوں) سے نہیں بچتا تھا جبکہ دوسرا چغل خور تھا۔''

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَکْثَرُ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنَ الْبَوْلِ))(١٦)

''اکثر عذابِ قبر پیشاب کی وجہ سے ہوگا۔''

یعنی پیشاب سے نہ بچنا قبر میں اکثر لوگوں کے عذاب کا باعث ہوگا۔ ہاں اگر کوئی شخص حتی الامکان اپنے آپ کو پیشاب کے چھینٹوں سے بچانے کی کوشش کرتا ہے' لیکن اس کے باوجود

اس پر کچھ نہ کچھ چھینٹے پڑ جاتے ہیں تو ایسے شخص کے بارے میں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرمائیں گے۔ لیکن اس شخص کو چاہیے کہ جسم یا کپڑے کے جس حصے کے بارے میں اس کا گمانِ غالب ہو کہ وہاں پیشاب کے چھینٹے پڑے ہیں اس جگہ کو دھو لے۔

(۵۸) جاسوسی کرنا

چھپ کر کسی فرد یا افراد کی باتیں سننا جس کو وہ ناپسند بھی کرتے ہوں' حرام ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَجَسَّسُوْا﴾ (الحُجُرٰت: ۱۱)

''اور تم جاسوسی مت کرو''۔

عام طور پر عورتوں میں یہ بری عادت زیادہ پائی جاتی ہے کہ وہ ہر وقت اپنے ارد گرد محلے اور قریبی رشتہ داروں کی ٹوہ میں رہتی ہیں کہ کسی طرح ان کے گھر کے اندرونی معاملات کے بارے میں معلومات حاصل کر سکیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنِ اسْتَمَعَ اِلٰی حَدِیْثِ قَوْمٍ وَھُمْ لَهٗ کَارِھُوْنَ اَوْ یَفِرُّوْنَ مِنْهُ صُبَّ فِیْ اُذُنِهِ الْآنُکُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ))[1]

''جس نے کسی قوم کی باتیں کان لگا کر سنیں جبکہ وہ اس کو ناپسند کرتے ہوں یا اس سے دور بھاگتے ہوں تو ایسے شخص کے کان میں قیامت کے دن سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا۔''

(۵۹) پڑوسی کے ساتھ برا سلوک کرنا

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ؕ﴾ (النساء: ۳۶)

''اور تم اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو اور رشتہ داروں کے ساتھ اور یتیموں کے ساتھ اور مساکین کے ساتھ

اور رشتہ دار پڑوسی کے ساتھ اور اجنبی پڑوسی کے ساتھ اور پہلو میں بیٹھنے والے ساتھی کے ساتھ اور مسافروں کے ساتھ اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ۔''

پڑوسی کو تکلیف دینا کبیرہ گناہوں میں سے ایک ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ)) قِیْلَ وَمَنْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ: ((اَلَّذِیْ لَا یَأْمَنُ جَارُہٗ بَوَایِقَہٗ))(۱۸)

''اللہ کی قسم وہ شخص مؤمن نہیں ہے' اللہ کی قسم وہ شخص مؤمن نہیں ہے' اللہ کی قسم وہ شخص مؤمن نہیں ہے!'' کہا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص کہ جس کی ایذا رسانی سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔''

(۶۰) مؤمن پر لعنت کرنا

لعنت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کے بارے میں بددعا کرنا کہ اللہ اس کو اپنی رحمت سے دُور کرے۔ لوگوں کا ایک دوسرے پر' یا والدین کا اپنی اولاد پر' یا خاوند کا بیوی پر' یا بیوی کا خاوند پر لعنت کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَعْنُ الْمُؤْمِنِ کَقَتْلِہٖ))(۱۹)

''مؤمن پر لعنت کرنا اس کے قتل کرنے کے مترادف ہے۔''

عام طور پر عورتیں لعن طعن بہت کرتی ہیں۔ آپ ﷺ کی حدیث میں عورتوں کے جہنم میں بکثرت جانے کے جو دو سبب بیان کیے گئے ہیں ان میں سے ایک کثرت سے لعن طعن کرنا ہے' جبکہ دوسرا سبب خاوند کی ناشکری کرنا ہے۔ اس لیے عورتوں کو چاہیے کہ ان دو قبیح افعال سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی شعوری کوشش کریں۔

(۶۱) چہرے پر مارنا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَنِ الضَّرْبِ فِی الْوَجْہِ(۲۰)

''رسول اللہ ﷺ نے چہرے پر مارنے سے منع کیا۔''

ہمارے ہاں عموماً والدین اور خصوصاً اساتذہ کی یہ عام عادت دیکھنے میں آئی ہے کہ وہ بچوں کو جب مارتے ہیں تو چہرے پر تھپڑ رسید کرتے ہیں' حالانکہ ان کا یہ فعل بالکل بھی جائز

Meesaaq_2006\Meesaaq_2006_PDF\meesaq november06\ms20-12 haram omoor-6.inp 8/20/2014 12:33 PM PAGE 5 (1,1)

نہیں ہے۔ چہرے پر مارنے میں انسانیت کی اہانت ہے۔ بعض اوقات چہرے پر مارنے سے جسم کا کوئی خاص عضو مثلاً آنکھ‘ ناک‘ دانت وغیرہ بے کار ہو سکتے ہیں‘ جو کہ بعد میں مارنے والے کے لیے شرمندگی وندامت کے علاوہ قصاص کا بھی باعث بن جاتے ہیں۔

حواشی

١) صحیح مسلم‘ کتاب البر والصلة والآداب‘ باب تحریم الغیبة۔

٢) سنن الترمذی‘ کتاب البر والصلة عن رسول اللهﷺ‘ باب ما جاء فی الذب عن عرض المسلم۔

٣) السلسلة الصحیحة للالبانی : ١٨٧١۔

٤) صحیح البخاری‘ کتاب الادب‘ باب ما یکرہ من النمیمة۔

٥) صحیح البخاری‘ کتاب الوضوء‘ باب من الکبائر ان لا یستتر من بوله۔

٦) صحیح مسلم‘ کتاب الآداب‘ باب تحریم النظر فی بیت غیرہ۔

٧) صحیح البخاری‘ کتاب الاستئذان‘ باب اذا کانوا اکثر من ثلاثة فلا بأس بالمسارة والمناجاة۔

٨) صحیح مسلم‘ کتاب الایمان‘ باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار والمن بالعطیة۔

٩) سنن النسائی‘ کتاب الزینة‘ باب ما تحت الکعبین من الازار۔

١٠) صحیح البخاری‘ کتاب المناقب‘ باب قول النبیﷺ لو کنت متخذا خلیلا۔

١١) سنن النسائی‘ کتاب الزینة‘ باب تحریم الذھب علی الرجال۔

١٢) صحیح مسلم‘ کتاب اللباس والزینة‘ باب تحریم خاتم الذھب علی الرجال۔

١٣) صحیح البخاری‘ کتاب اللباس‘ باب المتشبھون بالنساء والمتشبھات بالرجال۔

١٤) مسند احمد۔

١٥) صحیح البخاری‘ کتاب الوضوء‘ باب من الکبائر ان لا یستتر من بوله۔

١٦) سنن ابن ماجه‘ کتاب الطھارة و سننھا‘ باب التشدید فی البول۔

١٧) صحیح البخاری‘ کتاب التعبیر‘ باب من کذب فی حلمه۔

١٨) صحیح البخاری‘ کتاب الادب‘ باب اثم من لا یأمن جارہ بوایقه۔

١٩) سنن الدارمی‘ کتاب الدیات‘ باب التشدید علی من قتل نفسه۔

٢٠) صحیح مسلم‘ کتاب اللباس والزینة‘ باب النھی عن ضرب الحیوان فی وجھه ووسمه فیه۔

جدید دنیائے اسلام

قسط وار سلسلہ (37)

ٹُرکی (5)

(TURKEY)

تحقیق وتحریر: سید قاسم محمود

معاہدۂ کارلووِٹز سے پہلی مشروطیت تک

(1699ء۔1878ء)

1699ء کے معاہدۂ کارلووِٹز کے بعد یورپ میں ترکوں کی پیش قدمی رک گئی اور ان کو ہنگری سے بھی ہاتھ دھونا پڑا' لیکن وہ باقی سلطنت کو 1774ء تک بچائے رہے۔ اس مدت میں اُن کو یورپی قوموں کے مقابلے میں ناکامیاں بھی ہوئیں اور کامیابیاں بھی' لیکن 1774ء کے بعد ترکوں کا زوال تیزی سے شروع ہوا۔ اب اُن کو مسلسل شکستیں ہونے لگیں اور اُن کے مقبوضات ایک ایک کر کے ہاتھ سے نکلنے لگے۔ گویا دوسرے لفظوں میں 1774ء کے بعد سے عثمانی ترکوں کا زوال شروع ہوگیا' لیکن عثمانی ترک ہندی مسلمانوں کی طرح اتنے کمزور کبھی نہیں ہوئے تھے کہ دشمن اُن کو آسانی سے ختم کر دیتا۔ اسلامی ہند میں اورنگ زیب عالمگیر کے بعد کوئی طاقتور حکمران پیدا نہیں ہوا جو مرہٹوں اور ان کے بعد انگریزوں کا کامیاب مقابلہ کرتا۔ مغلیہ سلطنت کی عمارت پچاس برس کے اندر اندر دھڑام سے گر پڑی۔ بس جنوبی ہند میں حیدرعلی اور ٹیپو سلطان نے مسلمانوں کی لاج رکھ لی اور انگریزوں کا مسلسل چالیس سال کامیابی سے مقابلہ کیا۔

احمد ثالث (1703ء۔1730ء)

اسلامی ہند اور باقی دنیائے اسلام کے برخلاف عثمانی ترک بڑے جان دار ثابت ہوئے اور انہوں نے مغرب کی بڑھتی ہوئی طاقت کا دوسو سال تک سخت مقابلہ کیا۔ اس دوران میں سلطنت عثمانیہ میں کئی اعلیٰ صلاحیت کے سلاطین ہوئے۔ اُن میں سے ایک احمد ثالث (1703ء۔1730ء) تھے۔ ان کے

زمانے میں روس اور آسٹریا سے لڑائیاں جاری رہیں۔ ان لڑائیوں کے دوران 1717ء میں بلغراد بھی ترکوں کے ہاتھ سے نکل گیا' لیکن ترکوں نے روس سے 1711ء میں بحیرۂ اسود کے شمال مشرقی کنارے پر ازوف کا علاقہ واپس لے لیا۔ ایران میں افغانوں کے حملے کے بعد جو بدامنی پیدا ہوئی اُس سے فائدہ اٹھا کر ترکوں نے گرجستان کے علاوہ ہمدان اور تبریز تک ایران پر قبضہ کر لیا۔

احمد ثالث کا دَور تعمیراتی لحاظ سے بھی اہم ہے۔ وہ خود صاحبِ علم اور علم دوست سلطان تھا۔ اُس کے زمانے میں 1727ء میں استنبول میں پہلا چھاپہ خانہ قائم ہوا۔ یہ دنیائے اسلام کا پہلا چھاپہ خانہ تھا۔ مفتیٔ اعظم نے اس شرط پر یہ چھاپہ خانہ قائم کرنے کی اجازت دی تھی کہ اس میں قرآن مجید اور دینی کتابیں طبع نہ کی جائیں۔ احمد ثالث کا وزیر اعظم داماد ابراہیم پاشا سلطنت عثمانیہ کے قابل وزیروں میں شمار ہوتا تھا۔ وہ 1718ء سے 1730ء تک وزارت کے منصب پر متمکن رہا۔ اُس کے عہد میں تعمیر و ترقی کے کئی کام پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ مؤرخین نے اُس کے بارے میں یہ رائے قائم کی ہے کہ وہ جنگ کے زمانے سے زیادہ امن کے زمانے کے لیے موزوں تھا۔

محمود اوّل (1730ء۔1754ء)

یہ پہلا عثمانی سلطان ہے جس نے ترکی کے فوجی نظام کی کمزوری کو محسوس کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ ترکوں کی شکست کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ترک افواج کی تنظیم یورپی فوجوں کے مقابلے میں اچھی نہیں رہی' اور اُن کے پاس اسلحہ بھی یورپ کے مقابلے میں اچھا نہیں۔ عثمانی فوج کی اِس کمزوری کو دُور کرنے کے لیے محمود اوّل نے فرانسیسی ماہرینِ حرب کو بلا کر فوجی ملازمت دی۔ ان ماہرین کی کوششوں سے ترک فوج کی تنظیم بہتر ہو گئی اور جب روس اور آسٹریا نے جنگ چھیڑی تو ترک فوجوں نے دونوں ملکوں کو شکست دی اور 1739ء میں اُن کو صلح کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس صلح نامے کے تحت' جو ''صلح نامہ بلغراد'' کہلاتا ہے' بلغراد' بوسنیا' سرویا اور ولاچیا کے علاقے ترکوں کو واپس مل گئے اور روس نے یہ تسلیم کر لیا کہ وہ بحیرۂ ازوف اور بحیرۂ اسود میں روسی بحری بیڑہ نہیں رکھے گا۔ ان سمندروں میں روس کے جنگی اور تجارتی دونوں قسم کے جہازوں کا داخلہ ممنوع قرار دیا گیا۔ ان میں صرف ترکی کے جہازوں کو تجارت کی اجازت دی گئی۔ مشرق میں محمود اوّل نے ایرانی حکمران نادر شاہ سے 1736ء میں صلح کر لی اور یہ طے پایا کہ آئندہ سلطنتِ عثمانیہ اور ایران کے درمیان وہ سرحد قائم رہے گی جو سلطان مراد رابع کے دَور میں طے پائی تھی۔ محمود اوّل علم دوست حکمران تھا۔ اُس نے استنبول میں چار کتب خانے بھی قائم کیے۔

مصطفیٰ ثالث (1757ء۔1773ء)

اس عہد میں روس سے لڑائیاں جاری رہیں۔ روس نے 1771ء میں کریمیا پر قبضہ کر لیا' لیکن جزیرہ نما پر براہِ راست قبضہ کرنے کی بجائے حکمران خاندان کو برقرار رکھا۔ اُس زمانے میں عثمانی

امیر البحر حسن الجزائری نے ترکی بحری بیڑے کو ترقی دی اور روس کے مقابلے میں بحری جنگوں میں کامیابی حاصل کی۔

معاہدۂ کوچک کناری

مصطفیٰ ثالث کے عہد میں روس سے جو جنگ شروع ہوئی تھی وہ اُس کے جانشین سلطان عبدالحمید اوّل (1773ء۔1789ء) کے عہد میں بھی جاری رہی۔لیکن اس جنگ میں ترکوں کو مسلسل اور پے در پے شکستیں ہوئیں اور وہ 16 جولائی 1774ء کو ''معاہدۂ کوچک کناری'' کرنے پر مجبور ہوئے۔اس معاہدے کی رو سے کریمیا کو ایک آزاد مملکت قرار دیا گیا اور روس کو سلطنت عثمانیہ کی عیسائی رعایا کی حمایت کا حق حاصل ہو گیا۔اس معاہدے سے روس کو سلطنت عثمانیہ کے اندرونی معاملات میں مداخلت کا حق مل گیا' جس سے فائدہ اٹھا کر انیسویں صدی میں رُوس نے بلقان کی مسیحی آبادی کو بار بار عثمانی سلطنت کے خلاف بغاوت پر اکسایا اور مسیحی آبادی کا سہارا لے کر سلطنت عثمانیہ کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی۔معاہدۂ کوچک کناری سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اب ترکوں کے لیے اپنے علاقوں اور مقبوضات کا دفاع بہت مشکل ہو گیا ہے۔ترکوں کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر روس نے 1782ء میں سلطنت عثمانیہ کو روس اور آسٹریا کے درمیان تقسیم کرنے کی تجویز پیش کی' لیکن اگلی صدی میں ترکوں کی سخت مدافعت نے اس منصوبے کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔

روس نے معاہدۂ کوچک کناری کی خلاف ورزی کرتے ہوئے 1783ء میں کریمیا کی آزادی کا خاتمہ کر دیا اور اس پر براہِ راست قبضہ کر لیا۔

سلیم ثالث (1789ء۔1807ء)

سلطنت عثمانیہ کے زوال کو روکنے اور اُس کو ترقی کی راہ پر ڈالنے کے لیے جن عثمانی سلاطین نے قابل قدر کوششیں کیں ان میں سلطان سلیم ثالث کا نام سرفہرست ہے۔سلطان سلیم ثالث ٹیپو سلطان کا ہم عصر تھا۔اُس نے تعلیم عام کرنے اور جدید سائنسی علوم کی اشاعت کرنے کی کوشش کی۔اُس کے دَور میں فن جنگ و حرب سے متعلق کتابوں کا فرانسیسی زبان سے ترکی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔بری اور بحری افواج کو از سر نو منظّم کیا گیا اور تنظیم نو کو ''نظام جدید'' کا نام دیا گیا۔فرانسیسی انجینئروں اور توپچیوں کی مدد سے توپ ڈھالنے کے جدید طرز کے کارخانے قائم کیے گیے۔جاگیرداری نظام اصلاحات کی راہ میں بڑی رکاوٹ تھا' اس لیے سلیم نے جاگیرداری بھی ختم کر دی۔

لیکن سلیم ثالث ان اصلاحات میں زیادہ کامیاب نہ ہو سکا۔ٹیپو سلطان کی طرح مفاد پرست اور تنگ نظر لوگ سلیم کے خلاف ہو گئے۔سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ ینی چری فوج' جو کسی زمانے میں ترکی کی سب سے منظّم اور طاقتور فوج تھی' ''نظامِ جدید'' کے خلاف تھی اور وہ اپنی اجارہ داری اور بالادستی قائم

aq_2006_PDF\meesaq november06\ms-turki-5.inp 8/20/2014 12:33 PM PAGE 2 (1,1)

رکھنا چاہتی تھی۔ ینی چری کے سپاہیوں نے جدید یورپی اسلحہ اور جنگی طریقوں کو اختیار کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ مفتی اعظم شیخ الاسلام اسعد آفندی جدید اصلاحات کے حامی تھے' لیکن 1807ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ نئے شیخ الاسلام عطاء اللہ آفندی ینی چری کے زیر اثر تھے۔ جاہل صوفیہ اور تنگ نظر علماء نے' جو دین کی روح اور دین کے علم سے قطعاً بے بہرہ تھے' مذہب کے نام پر جدید اصلاحات کی مخالفت کی' یورپی طرز پر فوجوں کی تنظیم کو بے دینی سے تعبیر کیا' جدید فوجی وردیوں کو نصاریٰ سے تشبیہ دی گئی' حتیٰ کہ سنگین تک کے استعمال کی اس لیے مخالفت کی گئی کہ ان کے نزدیک کافروں کا اسلحہ استعمال کرنا گناہ تھا۔ سلیم ثالث کے خلاف یہ کہہ کر نفرت پھیلائی گئی کہ وہ کفار کے طریقے رائج کر کے اسلام کو پراگندہ کر رہا ہے۔ شیخ الاسلام عطاء اللہ آفندی نے فتویٰ دیا کہ ایسا بادشاہ جو قرآن کے خلاف عمل کرتا ہو' بادشاہی کے لائق نہیں۔ آخر کار 1807ء میں سلیم کو معزول کر کے قتل کر دیا گیا۔ بقول مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی: ''یہ پہلا موقع تھا کہ مذہبی پیشواؤں نے اپنی جہالت اور تاریک خیالی سے اسلام کے مانع ترقی ہونے کا غلط تخیل پیش کیا''۔ (تنقیحات' صفحہ ۳۷)

محمود ثانی (1808ء۔1839ء)

سلیم ثالث کے بعد جس سلطان نے اصلاح و تجدید کا کام جاری رکھنے کی کوشش کی وہ محمود ثانی ہے۔ محمود ثانی سلطان عبدالحمید اوّل کا بیٹا تھا۔ بدامنی' سرکشی اور بغاوتوں سے اُس کے دور کا آغاز ہوا۔ مصر میں مقامی مملوک سردار بے لگام ہو چکے تھے۔ عرب میں نجد کے سعودی خاندان کو عروج حاصل ہوا اور سعودی فوجوں نے حجاز پر قبضہ کر کے عراق اور شام تک چھاپے مارنے شروع کر دیے۔ یونان نے بھی اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ محمود نے اٹھارہ سال کے اندر تمام بغاوتوں کا خاتمہ کر دیا۔ مصر کے حکمران محمد علی نے مصر و شام میں امن قائم کر دیا' حجاز کو سعودی فوجوں سے واپس لے لیا اور 1826ء میں یونان کی بغاوت بھی فرو کر دی گئی۔ اُسی سال ینی چری فوج کا بھی خاتمہ کر دیا گیا' جس کے سردار اور سپاہی سلطنت کے لیے ایک مصیبت بن گئے تھے۔ محمود ثانی نے اب ینی چری کی جگہ جدید طرز کی ایک نئی فوج تیار کی' جس کی وردی یورپی طرز کی تھی اور پگڑی کی جگہ ٹوپی رائج کی گئی۔ سلطان نے بکتاشی درویشوں کا بھی خاتمہ کر دیا جو اصلاحات کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ تھے۔ اس کے علاوہ محمود نے جاگیرداری نظام پر بھی چند پابندیاں عائد کیں اور یہ حکم جاری کیا کہ کوئی شخص مقدمے کے بغیر قتل نہ کیا جائے۔ سلیمان قانونی کے عہد سے یہ قاعدہ ہو گیا تھا کہ سلاطین نے دربار میں آنا چھوڑ دیا تھا' جہاں ساری کارروائی وزیر اعظم کی صدارت میں ہوتی تھی۔ محمود نے اس دستور کو توڑا اور پابندی سے دربار میں آنا شروع کیا۔ ان اصلاحات کے بعد توقع تھی کہ سلطنت عثمانیہ ترقی کی راہ پر گامزن ہو جاتی' لیکن یورپی طاقتیں اور خاص طور پر روس نہیں چاہتا تھا کہ سلطنت عثمانیہ ایک بار پھر بڑی طاقت بن جائے۔ چنانچہ انہوں نے سلطنت عثمانیہ کے معاملات میں مداخلت شروع کر دی اور ترکوں کے خلاف جنگ چھیڑ دی۔ 20/اکتوبر 1827ء کو یونان

میں نورانیو کے مقام پر روس، انگلستان اور فرانس کے متحدہ بحری بیڑے نے حملہ کر کے عثمانی بیڑے کو بالکل تباہ کر دیا۔ روسی فوجیں بلقان کی طرف سے بڑھتی ہوئی 1829ء میں ادرنہ تک پہنچ گئیں۔ سلطان کو روس سے پھر صلح کرنی پڑی۔ روسی دباؤ کے تحت یونان کو آزادی دے دی گئی۔ روسی فوجوں نے مفتوحہ علاقے واپس کر دیئے، لیکن دریائے ڈینیوب کے دہانے اور دریا کے شمال میں واقع رومانیہ کے علاقے پر قابض ہو گیا۔ ادھر سے اطمینان ہوا تو 1830ء میں فرانس نے الجزائر پر قبضہ کر لیا۔ 1831ء میں مصر کے والی محمد علی نے بھی سلطنت عثمانیہ کے خلاف بغاوت کر دی اور اس کی فوجیں محمد علی کے بیٹے ابراہیم کی سرکردگی میں، جو اپنے زمانے کا بڑا تجربہ کار اور ماہر سپہ سالار تھا، شام کو فتح کرتی ہوئی ترکی کے قلب میں کوتاہیہ تک پہنچ گئیں، اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ اب جلد ہی استنبول پر بھی ان کا قبضہ ہو جائے گا۔ یہ حالات تھے کہ محمود ثانی کا انتقال ہو گیا۔

عبدالمجید خان (1839ء۔1861ء)

سلطان محمود ثانی کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا عبدالمجید خان سولہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ اُس کے عہد میں ہم عصر مغلیہ سلطنت کا خاتمہ ہوا اور انگریزوں نے اسلامی ہند پر اپنا قبضہ مکمل کیا۔ سلطان عبدالمجید نے مصر سے صلح کر لی۔ شام سلطنتِ عثمانیہ کو واپس مل گیا اور محمد علی نے بھی مصر پر عثمانی سلطنت کی بالادستی تسلیم کر لی۔ محمود ثانی نے اپنے عہد حکومت کے اواخر میں اصلاحات کا ایک پروگرام تیار کیا تھا، لیکن محمود کو اس پر عمل درآمد کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ سلطان عبدالمجید نے تخت نشین ہونے کے فوراً بعد 3 نومبر 1839ء کو ان اصلاحات کا اعلان کر دیا۔ یہ اصلاحات ترکی میں ''تنظیماتِ خیریہ'' کے نام سے مشہور ہیں۔ ان اصلاحات کے ذریعے عوام کو جان، مال اور آبرو کی ضمانت دی گئی۔ سب کے ساتھ مذہب وملت کی تفریق کے بغیر یکساں سلوک کا وعدہ کیا گیا۔ قانون کی بالادستی قائم کی گئی۔ انتظامی، فوجی اور تعلیمی میدانوں میں اصلاحات کی گئیں۔ سلطان عبدالمجید خان نے غلامی کے رواج کو بھی قانوناً ختم کر دیا۔

جنگ کریمیا

روس نے جب سلطنت عثمانیہ کو ایک بار پھر ترقی کے راستے پر گامزن ہوتے دیکھا تو رقابت کے مارے اس نے پھر مداخلت کی۔ روس نے دوبارہ وہی پرانا حربہ اختیار کیا، یعنی سلطنت کے یورپی صوبوں میں آباد عیسائیوں کو اپنا آلۂ کار بنانے کی کوشش کی۔ اس مقصد کے لیے اُس نے 1840ء میں ان عیسائی باشندوں پر مشتمل ایک نئی جماعت قائم کی، جس کا نام ''جمعیت سلافیہ'' رکھا۔ یہ جماعت سلافی نسل کے باشندوں پر مشتمل تھی۔ اس کا مقصد رومانیہ، بلغاریہ اور یوگوسلاویہ کے عیسائی باشندوں کو سلطنت عثمانیہ کے خلاف بغاوت پر اُکسانا اور ان ملکوں کی آزاد حکومتیں قائم کرنا تھا۔ اس سال کے بعد سے روس نے جنگِ بلقان تک سلافی باشندوں کے تحفظ کے بہانے بار بار مداخلت کی۔ اس سلسلے میں پہلی بڑی مداخلت 1854ء میں ہوئی۔ زارِ روس نے ترکی کو یورپ کا ''مردِ بیمار'' قرار دیا اور برطانیہ کے سامنے سلطنت

عثمانیہ کو روس اور برطانیہ میں تقسیم کر لینے کی تجویز پیش کی، لیکن برطانیہ نے اس مرتبہ روس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ روس نے تنہا عثمانی مملکت پر حملہ کر دیا اور اس طرح کریمیا کی جنگ شروع ہوئی۔ یہ جنگ 1854ء سے 1856ء تک مسلسل دو سال جاری رہی۔ اس جنگ میں برطانیہ نے ترکوں کا ساتھ دیا، جس کی وجہ سے روس اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا اور جنگ بے نتیجہ ثابت ہوئی۔

سلطان محمود ثانی اور سلطان عبدالمجید خان کے عہد میں اصلاحات کے نتیجے میں سلطنت عثمانیہ نے جو ترقی کی، اس کا ذکر برطانوی وزیر اعظم لارڈ پامرسٹن نے 1853ء میں برطانوی پارلیمنٹ میں ان الفاظ کے ساتھ کیا: ''جتنی ترقی و اصلاح سلطنت عثمانیہ نے گزشتہ بیس برسوں میں کی ہے، کسی دوسرے ملک نے نہیں کی''۔

یہ زمانہ وہی تھا جب برعظیم پاک و ہند میں انگریزوں کی حکومت پوری طرح مسلط ہو چکی تھی اور 1857ء میں مغلیہ سلطنت کے آخری حکمران بہادر شاہ ظفر کو انگریزوں نے جلاوطن کر کے صدیوں کی جمی جمائی سلطنت کا خاتمہ کر دیا تھا۔ جب ہم اسلامی ہند کی اس صورت حال کا موازنہ ترکوں سے کرتے ہیں تو تعجب ہوتا ہے کہ ہم جو اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں اتنی وسیع مملکت کے مالک و حکمران تھے، ڈیڑھ سو سال کے اندر اندر سیاسی حیثیت سے ختم ہو گئے، لیکن ترکوں کی مختصر قوم نے اپنے زوال کے ڈیڑھ سو سال بعد بھی اتنی طاقت حاصل کر لی تھی اور اتنی ترقی کر لی تھی کہ برطانیہ جیسا دشمن بھی ان کی تعریف کرنے پر مجبور تھا۔

عبدالعزیز خان (1861ء۔1876ء)

سلطان عبدالمجید خان کے بعد اُس کا بھائی تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں سلطنت عثمانیہ کے بحری بیڑے کو اتنی ترقی دی گئی کہ عثمانی ترک یورپ کی تیسری بڑی بحری طاقت بن گئے۔ ''تنظیمات'' کی اصلاحات کے روحِ رواں وزیر اعظم مصطفیٰ رشید پاشا (1800ء۔1858ء) تھے۔ انہوں نے 3 نومبر 1839ء کو اصلاحات کا اعلان کیا تھا۔ ان کے بعد وزیر اعظم فواد پاشا (1815ء۔1869ء) اور وزیر اعظم عالی پاشا (1815ء۔1871ء) نے یہ کام جاری رکھا، لیکن اصلاحات کے سلسلے میں رشید پاشا کے بعد سب سے زیادہ شہرت جس شخص نے حاصل کی وہ مدحت پاشا (1822ء۔1883ء) ہیں۔ سلطان عبدالعزیز خان کے عہد میں اصلاحات کے کام میں رکاوٹیں بڑھیں اور سلطان نے آمرانہ انداز اختیار کیا۔ اس نے فضول خرچی اختیار کی اور بڑے بڑے محلات کی تعمیر پر کثیر رقم صرف کی۔ اخراجات پورے کرنے کے لیے قرض لیے اور ٹیکس لگائے۔ 1867ء میں سرویا نے آزادی حاصل کر لی۔ اس کی ان کارروائیوں کی وجہ سے ملک میں بے چینی بڑھی۔ کچھ محبانِ وطن نے، جن میں نامق کمال شامل تھے، 1865ء میں ''ینی عثمانی جمعیت''، یعنی نوجوان عثمانی جمعیت کے نام سے ایک خفیہ تنظیم قائم کی، جس کا مقصد بادشاہ کے آمرانہ اختیارات پر پابندی لگا کر دستوری حکومت قائم کرنا تھا۔ چنانچہ جب

سلطان عبدالعزیز خان کے خلاف بے چینی بڑھی تو مدحت پاشا نے، جو دستوری حکومت کے زبردست حامی تھے، ینی عثمانی جمعیت کے تعاون سے سلطان عبدالعزیز خان کو معزول کر دیا اور سلطان عبدالمجید خان کے لڑکے مراد کو تخت نشین کیا جو دستوری حکومت کے حق میں تھا، لیکن چند ماہ بعد ہی دماغی خلل کی وجہ سے سلطان مراد کو بھی معزول کرنا پڑا اور اس کی جگہ سلطان عبدالمجید کے دوسرے لڑکے عبدالحمید خان کو تخت نشین کیا۔ مدحت پاشا نے سلطان عبدالحمید خان کو تخت نشین کرنے سے پہلے اُن سے دستوری حکومت قائم کرنے کا وعدہ لے لیا تھا۔

عبدالحمید خان (1876ء۔1909ء)

23 دسمبر 1876ء کو جب سلطان عبدالحمید خان نے وعدے کے مطابق دستورِ اساسی کا اعلان کیا تو سلطنت عثمانیہ میں عوام نے بڑی مسرت کا اظہار کیا۔ شہروں میں چراغاں کیا گیا اور لوگوں نے سلطان زندہ باد اور مدحت پاشا زندہ باد کے نعرے لگائے۔ دو ایوانوں پر مشتمل پارلیمنٹ قائم کی گئی جس کا افتتاح 20 مارچ 1877ء کو ہوا۔ دنیائے اسلام میں مغربی انداز کی یہ پہلی پارلیمنٹ تھی اور سلطنت عثمانیہ پہلی بادشاہت تھی جس نے دستوری اور آئینی پابندیوں کو قبول کیا۔

ابھی آئینی حکومت کا آغاز ہوا ہی تھا کہ ایک ماہ بعد 24/اپریل 1877ء کو روس نے حملہ کر دیا۔ دریائے ڈینیوب کے جنوب میں پلونا کے مقام پر جنرل عثمان پاشا نے غیر معمولی شجاعت کا ثبوت دیا اور روس کی دو لاکھ فوج کے حملوں کو پچاس ہزار باضابطہ اور بے ضابطہ فوجیوں کی مدد سے پانچ ماہ تک پسپا کرتے رہے۔ آخر کار ہر طرف سے محصور ہو جانے اور سپلائی بند ہوجانے کی وجہ سے 10 دسمبر 1877ء کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوئے۔ زار روس جنرل عثمان پاشا کی شجاعت سے اتنا متاثر ہوا کہ ان کو شرف باریابی عطا کر کے ان کی شجاعت پر مبارک باد دی اور ان کی مدافعت کو فوجی تاریخ کا ایک غیر معمولی واقعہ قرار دیا۔

معاہدۂ برلن (1878ء)

جنرل عثمان پاشا کے ہتھیار ڈالنے کے بعد روسی فوجیں آسانی سے آگے بڑھ گئیں اور 28/جنوری 1878ء کو ادرنہ کے تاریخی شہر میں داخل ہوگئیں جو دارالخلافہ استنبول سے صرف سوسوا سو میل دور تھا۔ بالآخر یورپی قوموں کی مداخلت سے جنگ بند ہوئی۔ 13 جولائی 1878ء کو برلن میں ایک معاہدہ ہوا، جس کے تحت روس نے اپنے بیشتر مقاصد حاصل کر لیے۔ اس معاہدے کی رو سے رومانیہ پر سے عثمانی بالادستی ختم ہوگئی اور وہ مکمل طور پر آزاد مملکت قرار دی گئی۔ بلغاریہ، سرویا اور قرہ داغ (مونٹی نیگرو) میں خودمختار حکومتیں قائم کر دی گئیں جن کا تعلق بابِ عالی سے محض سالانہ خراج تک رہ گیا۔ برطانیہ نے اپنی ہمدردانہ مداخلت کے صلے میں جون 1878ء کو جزیرۂ قبرص سلطنت عثمانیہ سے پٹے پر لے لیا۔ روس سے جنگ کے نتیجے میں اب یورپ میں جنوبی یونان اور کوہ بلقان کے درمیان کا مختصر سا علاقہ ترکوں کے

q_2006_PDF\meesaq november06\ms-turki-5.inp 8/20/2014 12:33 PM PAGE 4 (1,1)

پاس رہ گیا‘ جس کا رقبہ چند مربع میل تھا۔ مصر اور تونس اگرچہ پہلے ہی عملاً خود مختار تھے‘ لیکن سلطنتِ عثمانیہ کی بالادستی تسلیم کرتے تھے۔ اب عثمانی ترکوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر فرانس نے 1881ء میں تونس پر اور برطانیہ نے 1882ء میں مصر پر قبضہ کرلیا۔

دورِ استبداد کا آغاز

روس اور ترکی کی جنگ کا دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ سلطان عبدالحمید خان نے جنگ کے غیر معمولی حالات کو بہانہ بنا کر 14/جنوری 1878ء کو دستور معطل کر دیا۔ پارلیمنٹ برخاست کر دی گئی‘ مدحت پاشا کو گرفتار کرلیا گیا اور چند سال بعد قید خانے میں خفیہ طور پر قتل کرا دیا گیا۔ ترکی کی پہلی مشروطیت‘ جس کا آغاز 23 دسمبر 1876ء کو ہوا تھا‘ صرف ایک سال قائم رہی۔ اس کے بعد جو دَور شروع ہوا اس کو ترکی کی تاریخ میں استبداد کا دَور کہا جاتا ہے۔ (جاری ہے)